اشکوں کا راز

(فلسفہ عزاداری)

مؤلف

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ

سید علی الحسینی الخامنہ ای دام ظلہ العالی

ناشر

معراج کمپنی لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... اشکوں کا راز (فلسفہ عزاداری)
مؤلف .... آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای دام ظلہ العالی
اردو تصحیح .... مجاہد حسین حرّ
پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری
کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی۔۰۳۴۵-۲۴۰۱۱۲۵
ناشر ....

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔لاہور

042-37361214.0321-4971214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی ﷺ پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

جب سے ادارہ قائم کیا ایک خواہش تھی کہ آقائی رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی کتابیں شائع کی جائیں لیکن مصرفیات اور کچھ آقائی موصوف کی کتب کی غیر دستیابی کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔ لیکن اب الحمد للہ جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے رہبر معظم کی کتب فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور انہوں نے خداوند قدوس کی بارگاہ سے امید ظاہر کی ہے کہ انشاء اللہ سو (۱۰۰) سے زائد کتب فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

"اشکوں کا راز" ولی فقیہ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں عزادری اور فلسفۂ عزادری کو بیان کیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت ہمارے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی نشر و اشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں، ہماری دعا ہے رب العزت تمام امت مسلمہ کو عزت و سربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بداخلاقی اور دیگر آفات و بلیات سے محفوظ

رکھے۔ (آمین)

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کی اخلاقی ابتری کو ختم کرنے کا کا باعث بنے گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی نشر و اشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں، ہماری دعا ہے رب العزت تمام امت مسلمہ کو عزت و سربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بداخلاقی اور دیگر آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

قارئین کرام کو ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں بہت جلد معراج کمپنی کی ویب سائیٹ بنا کر آقائی رہبر معظم کی تمام کتابیں اس پر لوڈ کر دی جائیں گی۔

ادارہ معراج کمپنی شیخ محمد باقر امین صاحب کی دادی مرحومہ کے نام پر قائم کیا گیا ہے۔ مومنین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ادارہ

فہرست کتاب

حرف اول 9
آزادی پسند امام 11
مقصد قیام؟ 11
کیا آپ کا مقصد حکومت تھا؟ 12
کیا قیام کا مقصد شہادت تھا؟ 12
ایک واجب کو انجام دینا 13
اسلام کا ایک رکن 14
ہمارے انقلاب کی گاڑی 15
سب سے بڑا ہنر 16
سچائی کا خاتمہ ہو جاتا 18
علما سے خطاب 19
شہدائے کربلا کی عظمت کا راز 21

چراغ ہدایت 23
غیر جانبدار لوگ 24
جہالت اور گمراہی کے خلاف جنگ 25
دین کے لئے فداکاری 26
جب دینداروں کی قلت ہو جائے 27
صبر جمیل 29
سب کچھ قربان کر دیا 30
تلوار ہمیشہ تیار رہے 31
زینبی کردار 31
ہنرمندانہ گفتگو 33
قیام امام حسین علیہ السلام میں تین بنیادی عناصر 35
عنصر منطق و عقل 35
عنصر عزت و حماسہ 36
عنصر مہر و عطوفت 37
عاشورا روزِ مصیبت مگر حیات سلام کا دن 38
خون کی خاصیت 39
عزا برپا کرنے والے غافلو 39
چہلم 41
جو قوم اسیر ہے 43
بعثت بغیر ہجرت 45
انجمن، صرف جذبات کی بنیاد پر نہیں 46

شیعہ سنی اتحاد 47
پروگرامنگ ضروی ہے 48
سب کا فریضہ ہے 49
تبلیغ، حاکمیت اسلام کے زمانے میں 51
زمانے کی ضرورت کو پہچانیں 52
منبر کا بیان انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہیے 53
اس تبلیغ کا مقصد انسان سازی ہے 55
برادفاع، خطرناک ہے 56
بیان ہنر مندانہ ہونا چاہیے 57
قمہ زنی ہی کیوں؟ 58
پیغام محرم کے لئے نقصاندہ چیزیں 60
مرثیہ یعنی عاشور کی یاد کو زندہ رکھنا 61
پہلی شرط 62
دوسری شرط 62
تیسری شرط 63
بہترین اور خوبصورت اشعار 63
مداحی اور ذاکری ایک بافضیلت منصب 65
مداحی کا ہنر 66
صرف چشم و ابرو 67
میوزک؟ 68
مناقب اہل بیتؑ 69

من گھڑت مصائب 70
لوگوں کو آزار و اذیت پہنچانا حرام ہے 71
مثبت شبیہ خوانی 72
علما اور طلاب کے اجتماع سے خطاب 74
یہ مناسبتیں اور مسئلہ تبلیغ کی حقیقت 76
تبلیغ کا ایک نمونہ 79
تبلیغ کے سلسلے میں ایک مطلب 79
ایک تعبیر 82
تبلیغ کا سب سے اہم موقع اور جگہ 84
قانون کی بالا دستی 86
حقیقت ماجرا یہ ہے 87

حرف اول

عاشورا اور قیام امام حسین علیہ السلام سے متعلق سن ۶۱ ھ سے آج تک اس واقعے کے چشم دید گواہوں، ائمہ اطہار علیہم السلام اور خطباء و شعرا کی زبان و قلم سے بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے لیکن ابھی تک اس وادی کے اسرار و رموز کو بیان نہیں کیا گیا ہے اور بہت کچھ کہنا باقی ہے۔

بقول مولانا روم کے

گر بگویم شرح این معنی تمام

صد قیامت بگذرد وین نا تمام

اگر اس معنی کی مکمل تشریح کروں تو سو قیامتیں گزر جانے کے بعد بھی اس کی شرح نامکمل رہ جائے گی۔

گزشتہ چند سالوں میں یعنی انقلاب اسلامی سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس عظیم واقعہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا گیا۔ لیکن آج بھی امت مسلمہ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اس واقعہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کرے۔

عاشورا ایک عجیب درس ہے اور حقیر کی نظر میں آج کی سسکتی اور دم توڑتی دنیا کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ سید الشہداء حسین ابن علی علیہما السلام کا درس پڑھے، اسے سمجھے اور پھر اس پر عمل کرے۔

ایران کی عظیم قوم اگر صرف اتنا کام کر سکے کہ اپنی زندگی اپنے انقلاب، اپنی جنگ،

اپنے سماج اور اپنے معاشرے میں اس عظیم درس کو دنیا کے سامنے جلوہ گر کر سکے تو یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی دنیا کی ستم دیدہ اقوام کے لئے۔ [1]

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۹۸۶:۹:۲۲

آزادی پسند امام

گزشتہ چند صدیوں کی بہ نسبت آج حسین ابن علی علیہما السلام کی شخصیت زیادہ معروف و مقبول ہے۔ آج کے حالات میں جب بھی کوئی بے غرض مفکر اور دانشور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتا ہے تو واقعہ کربلا پر پہنچ کر سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ وہ افراد جن کا بظاہر اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن آزادی، عدالت، عزت، سربلندی اور دوسرے انسانی اقدار کے قدرداں ہیں وہ سب آزادی، عدالت، استقلال، برائیوں سے مقابلے اور جہالت کے خلاف جنگ میں امام حسین علیہ السلام کو اپنا رہبر و پیشوا مانتے ہیں۔ [1]

مقصد قیام؟

امام حسین علیہ السلام سے کہا جاتا تھا پورا مکہ اور مدینہ آپ کا احترام کرتا ہے۔ اور یمن میں آپ کے اتنے چاہنے والے ہیں۔ کہیں بھی چلے جائیے تاکہ نہ آپ کو یزید سے کوئی مطلب ہو اور نہ یزید کو آپ سے کوئی سروکار۔

اتنے شیعہ، اتنے چاہنے والے، اتنے پیروکار آرام سے زندگی بسر کیجئے، خدا کی عبادت کیجئے اور اس کے دین کی تبلیغ کیجئے

آخر یہ قیام کس لئے؟ آپ کا کیا مقصد ہے؟

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۴:۴:۲۰۰۰

کیا آپ کا مقصد حکومت تھا؟

بعض لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ یزید جیسے فاسق وفاجر انسان کو حکومت سے برطرف کر کے خود حکومت کریں۔

ہم نہیں کہتے کہ یہ بات بالکل غلط ہے البتہ آدھی صحیح ہے۔

ان افراد کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے سوچا قیام کرتے ہیں اگر کامیاب ہو گئے تو حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو واپس آجائیں گے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

جی ہاں! جو حکومت کی غرض سے قیام کرتا ہے وہ وہیں تک آگے بڑھتا ہے جہاں تک ممکن ہو لیکن جہاں اس نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنا ناممکن ہے تو پلٹ آتا ہے۔ اگر کسی کا مقصد حکومت قائم کرنا ہے تو اسے وہیں تک جانا چاہئے جہاں جانے کا امکان ہے لیکن جہاں سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہو عقلمندی یہی ہے کہ پلٹ آئے۔

جو شخص یہ کہتا ہے امام حکومت علوی کے قیام کے لئے اٹھے تھے اور اس کی مراد یہ ہو جو ہم نے بیان کیا تو اس کا نظریہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام سے کہیں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا قیام کا مقصد شہادت تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں یہ حکومت وکومت سب بیکار کی باتیں ہیں امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ حکومت کا قیام عمل میں نہیں لا سکتے وہ تو اس لئے آئے تھے تاکہ خدا کی راہ میں قربانی دیں اور شہید ہو جائیں۔

ایک مدت تک لوگ اسی نظریہ کے قائل تھے۔ بعض لوگ شاعرانہ تعبیروں کے ساتھ

اسے بیان کرتے بلکہ بعض بزرگ علما بھی اس کے قائل ہوگئے تھے۔ وہ سب کہتے ہیں کہ امام عالی مقام نے دیکھا کہ اب زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں لہٰذا شہادت کے ذریعہ ہی کچھ کیا جائے۔

اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا اس لئے اسلام اس بات کا قائل نہیں کہ جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو اور قتل کر دیئے جاؤ۔

شریعت اور دین نے جس شہادت کی بات کی ہے اس شہادت کا مطلب یہ ہے انسان ایک عظیم مقصد کی خاطر قیام کرے اور اس راہ میں اپنی جان بھی دے دے۔ یہ ہے وہ شہادت جسے اسلامی اور دینی شہادت کہا جا سکتا ہے شہادت یہ نہیں ہے میں دوڑ کر میدان میں جاؤں تا کہ شہید کر دیا جاؤں یا شاعرانہ تعبیر میں کہا جائے کہ میرا خون ظلم وستم کے ایوان ہلا دے اور اسے منہ کی کھانی پڑے۔ امام حسین علیہ السلام کے عظیم قیام کا مقصد یہ بھی نہیں تھا جو کہا جاتا ہے۔

ایک واجب کو انجام دینا

لہٰذا نہ کلی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے امام عالی مقام علیہ السلام نے حکومت کے لئے قیام کیا اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے ان کے قیام کا مقصد شہادت تھا۔

میری نظر میں جو لوگ "حکومت" یا "شہادت" کے قائل ہیں انہوں نے ہدف اور نتیجہ کو ملا دیا ہے۔ امام علیہ السلام کے قیام کا مقصد یہ نہیں تھا، امام علیہ السلام کے قیام کا مقصد کچھ اور تھا البتہ اس ہدف تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک ایسا راستہ طے کرنا تھا جس کا نتیجہ دو ہی چیزیں تھیں حکومت یا شہادت۔ امام حسین علیہ السلام ان دونوں چیزوں کے لئے آمادہ تھے۔ انہوں نے حکومت کے مقدمات کو بھی فراہم کر لیا تھا اور شہادت کی آمادگی بھی کر چکے تھے۔ اب جو بھی ہاتھ آتا وہی صحیح تھا، اس میں کوئی عیب نہیں تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی مقصد نہیں تھا بلکہ نتیجہ تھا۔ ہدف کچھ اور ہوتا ہے۔

اگر امام حسین علیہ السلام کے صحیح ہدف کو بیان کرنا ہے تو اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ امام عالی مقام کے قیام کا ہدف ایک ایسے واجب کی انجام وہی تھا جو امام حسین علیہ السلام سے پہلے کسی نے انجام نہیں دیا تھا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام نے بھی۔ [1]

اسلام کا ایک رکن

اسلام کے عملی احکام کا صرف ایک حکم جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا تھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ اور یہ اسلامی نظام کے ارکان کا ایک اہم رکن ہے۔ اور وہ حکم اور رکن یہ تھا کہ جب بھی یہ اسلامی نظام اور اسلامی معاشرہ کی گاڑی پٹری سے نیچے آ جائے اور اس کا نظام بالکل اُلٹ جائے تو اس وقت اُمت مسلمہ کی ذمہ داری کیا ہے؟ اگر بانی اسلام تمام اسلامی احکام وقوانین بیان کرتے لیکن صرف یہ ایک حکم بیان نہ کرتے تو ان کا کام ناقص رہ جاتا لیکن انہوں نے یہ بھی بیان کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں سے کہہ کر گئے تھے اگر کسی وقت بھی اسلامی معاشرہ اسلام کے دائرے سے باہر نکل جائے اور صاحبان قدرت وثروت، مسلم نما منافقین یا کوئی بھی اسلامی سماج کا رخ بدلنا چاہے تو اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کو کیا کرنا ہوگا؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ کر گئے تھے لیکن خود عمل نہیں کر سکے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک باحیات تھے تب تک امت مسلمہ اور اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی انحراف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسلام کا یہ رکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے بیان کیا تھا کیونکہ ان کے بعد ان کے جانشینوں کے زمانے میں ایسا ہونا عین ممکن تھا چاہے وہ کسی بھی جانشین کے زمانے میں ہوتا۔ جس امام کے زمانے میں بھی یہ صورتحال پیدا ہوتی اسے وہی کرنا ہوتا جو پیغمبر نے بتایا تھا۔ اگر امیر المومنین علی علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تو وہ ویسا ہی کرتے جیسا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا یا اگر

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۰۳:۵:۱۹۹۵

امام علی نقی علیہ السلام یا امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تب بھی ان کی یہی ذمہ داری تھی۔ اب چونکہ یہ صورتحال امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں پیش آئی لہٰذا ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس پر عمل کرتے۔ تا کہ اسلامی نظام اور اسلامی سماج کو دوبارہ اسی حالت پر لے آتے جہاں پر وہ پہلے تھا۔ یہ امام عالی مقام کی ذمہ داری تھی اور واقعہ عاشورا کی واقعیت اور حقیقت یہی ہے۔ [1]

ہمارے انقلاب کی گاڑی

امام حسین علیہ السلام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ایہا الناس! اے لوگو!

یعنی اے وہ لوگو! جو میرے ساتھ اور میری تحریک کی حقیقت اور مقصد کو سمجھنا چاہتے ہو،

اے وہ لوگو! جو آج دشمن بن کر ہمارے سامنے کھڑے ہو۔

اے غیر جانبدار غافلو! جن تک میرے قیام کی خبر پہنچے گی لیکن تمہیں معلوم نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قیام کیا۔

اے وہ لوگو! جو اسلام کے احکام اور خدا کی شریعت کو جاننا چاہتے ہو ہماری تحریک سے بے خبر ہو۔

تم سب جان لو!

اَیُّهَا النَّاسُ! أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدْ قَالَ فِي حَيَاتِهِ مَنْ رَأَى سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللهِ نَاكِثاً لِعَهْدِ اللهِ مُخَالِفاً لِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللهِ بِالْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ثُمَّ لَمْ يُغَيِّرْ بِقَوْلٍ وَ لَا فِعْلٍ كَانَ حَقِيقاً عَلَى اللهِ

---

[1] نو ودس محرم سے قائد انقلاب کا خطاب ۲۶:۱۰:۱۹۸۲

أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ.[1]

یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات ہیں میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، یہ وہی حکم ہے جو پیغمبر نے دیا ہے اور میں اس حکم پر عمل کرر ہا ہوں اور وہ حکم یہ ہے کہ

جب تم میں سے کوئی بھی یہ دیکھے کہ معاشرے کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ اس کے دل میں لوگوں کی نسبت بغض و عداوت اور کینہ ہے۔ اسے لوگوں سے کوئی لگاؤ نہیں اور لوگوں سے بالکل محبت نہیں کرتا۔ اسے اس سے سروکار نہیں ہے معاشرے کی مصلحت کیا ہے بلکہ اسے اس سے مطلب ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اس کا فائدہ کس چیز میں ہے۔ جو بھی ایسے شخص کو برسر حکومت دیکھے اور اس کے خلاف قیام نہ کرے بلکہ بت بنا دیکھتا رہے تو خدا کو حق ہے کہ قیامت کے دن اسے بھی وہی سزا دے جو اس ظالم کی ہوگی۔ یہی وہ انجن تھا جس نے ہمارے انقلاب کی گاڑی کو آگے بڑھایا۔[2]

سب سے بڑا ہنر

امام حسین علیہ السلام کے چاہنے والوں اور پیروکاروں میں بہت سے امام حسین علیہ السلام اور ان کی تحریک کو سمجھ چکے تھے (اس لئے امام کے نقش قدم پر چل پڑے) اور بعض نہیں سمجھ پائے تھے (اس لئے وہ قافلۂ حسینی سے پیچھے رہ گئے)۔

دشمن تو خیر دشمن تھے۔ دشمن ایسے تھے جیسے ایک گہرا سمندر ہو اور اس کی خطرناک اور سرکش موجیں۔

---

[1] بحار الأنوار (ط - بيروت) / ج44 / 382 / باب 37 ما جرى عليه بعد بيعة الناس ليزيد بن معاوية إلى شهادته صلوات الله عليه و لعنة الله على ظالميه و قاتليه و الراضين بقتله و المؤازرين عليه..... ص: 310

[2] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۹۸۵:۸:۸

دوستوں میں بعض دانا تھے جو امام کی معرفت حاصل کر چکے تھے اسی لئے ان حساس لمحوں میں حسین ابن علی علیہما السلام کو تنہا نہیں چھوڑا اور بعض امام کے پاس ہوتے ہوئے انہیں نہ سمجھ پائے اور غلطی کر بیٹھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن جعفر کو اسلام اور خاندان پیغمبر سے محبت نہیں تھی؟

یہ سب تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامان محبت میں پروان چڑھے تھے لیکن یہاں غلطی کر بیٹھے۔ نہیں جانتے تھے کہ وہ سرزمین جس کا دفاع واجب ہے کہاں ہے اور وہ چیز جس کے لئے فداکاری کرنی چاہئے کون سی ہے؟ مدینہ ہی میں رہے تاکہ چار مسئلے بیان کر سکیں لیکن اسلام مجسم، قرآن ناطق، فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لخت جگر امام حسین علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا۔

بعض لوگ کربلا تک آئے، جنگ کی، امام کا دفاع بھی کیا لیکن آخری لمحوں میں امام کی خدمت میں آکر کہنے لگے: مولا ہم سے جہاں تک ہو سکتا ہے آپ کا دفاع کیا اب اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم خدا حافظی کریں (اور اپنے گھروں کو جائیں)۔

امام نے بھی اجازت دے دی اور کہا بسم اللہ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔

بہت سے افراد تھے جو اس وقت خاموش رہے اور بیٹھے رہے جب اسلام کے لئے سب سے بنیادی اور ضروری دفاع کا وقت تھا۔

آج بھی جو لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں، اسلام کی باتیں کرتے ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں، ان میں سے بہت سے نہیں جانتے کہ اسلام کہاں ہے اور کہاں اسلام کا دفاع کرنا چاہئے۔

سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ انسان صحیح وقت اور جگہ کو پہچانے۔ حبیب ابن مظاہر جیسے افراد نے اچھی طرح پہچان لیا تھا (اسلئے آخری دم تک امام کا ساتھ نہیں چھوڑا) جناب زینب نہ صرف خود بلکہ اپنے بچوں کو بھی لے کر آ گئیں جبکہ ان کے شوہر عبد اللہ ابن جعفر مکہ یا مدینہ میں بیٹھے

رہے اور کربلا نہیں آئے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا یہ کہہ سکتی تھیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ جا رہی ہوں بچوں کو باپ کے پاس چھوڑ کے جاتی ہوں لیکن وہ بچوں کو بھی لے کر آئیں اور ان کے دونوں بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو بصیرت رکھتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کہاں پر کیا کرنا ہے۔[1]

سچائی کا خاتمہ ہو جاتا

امام عالی مقام علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ان کا یہ سکوت اور خاموشی رضامندی کی علامت بن جائے گی اور پھر اسلام پر کیا مصیبت آن پڑے گی۔ جب ایک طاقت معاشروں یا کسی ایک معاشرے کے تمام وسائل پر قبضہ کر لے اور طغیان و بربریت کے راستہ پر گامزن ہو جائے، ایسے موقع پر حق وحقیقت کے علمبردار اگر خاموش بیٹھے رہیں اور ان کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوں تو گویا وہ بھی اس طاقت کے عمل سے راضی ہیں چاہے درحقیقت وہ راضی ہوں یا نہ ہوں۔

یہی وہ گناہ تھا جو اس وقت بنی ہاشم کے بہت سے بزرگوں اور صدر اسلام کی اہم شخصیات کی اولاد نے انجام دیا۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی اس لئے آپ نے قیام کیا۔

واقعہ کربلا کے بعد جب قافلۂ حسینی واپس مدینہ میں آیا۔ (یعنی مدینہ مدینے سے نکلنے کے دس، گیارہ مہینے بعد) ایک شخص امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگے: دیکھا کیا ہوا؟ کیا ملا وہاں جا کر؟

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: سوچو اگر نہ جاتے تو کیا ہوتا؟!

---

[1] قصر فیروز یونٹ میں سپاہ پاسداران کے درمیان خطاب ۱۹۸۵:۹:۲۴

جی ہاں! اگر نہ جاتے تو کیا ہوتا! جسم تو زندہ ہوتے لیکن سچائی دم توڑ چکی ہوتی، روح فرسودہ ہوجاتی، ضمیر مردہ ہوجاتے عقل وخرد کا جنازہ نکل جاتا اور اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہتا۔[۱]

علما سے خطاب

اس وقت کے علما کا ایک گروہ تشکیل ہوا جنھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا، جو ان کے صحابی تھے، جنھوں نے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا ان افراد سے حدیثیں سنی تھیں جو پیغمبر سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔ وہ افراد جو لوگوں کی نگاہوں میں قابل احترام تھے اور دانشوران قوم کہے جاتے تھے۔ انہی افراد میں سے کچھ کو حسین ابن علی علیہما السلام نے منیٰ کے میدان میں اکٹھا کیا اور ان سے ایک مفصل گفتگو کی۔ گفتگو کے آخر میں امام عالی مقام آسمان کی طرف رخ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَا كَانَ مِنَّا تَنَافُساً فِي سُلْطَانٍ.[۲]

خدایا! تو بہتر جانتا ہے کہ جو کام ہم نے شروع کیا ہے، جو قدم ہم نے اٹھایا ہے، جو باتیں ہم کہتے ہیں یہ ان اہداف ومقاصد کے لئے نہیں ہیں جو عام طور سے دنیا طلب، جنگجو اور لشکر کشی کرنے والے افراد کے ہوا کرتے تھے یا ہوا کرتے ہیں۔

وَلَكِنْ لِنُرِيَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِينِكَ[۳]

ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ پرچم اسلام کو پہچانیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ دین کی ان پوشیدہ علامتوں قرآن واسلام کی فراموش شدہ اقدار، اہداف اور اصولوں کو دوبارہ زندہ کریں جن پر بہت زیادہ گردوغبار پڑ گیا ہے۔

---

[۱] اسلامی جمہوریہ کے ذمہ دار عہدیداروں اور کارندوں سے خطاب ۱۸:۳:۲۰۰۲
[۲] تحف العقول/ النص/ ۲۳۹
[۳] تحف العقول/ النص/ ۲۳۹

وَ نُظْهِرَ الْإِصْلَاحَ فِي بِلَادِكَ [1]

اور ہمارا ارادہ ہے کہ تیری سرزمین اور تیرے شہر میں اصلاح کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی معاشروں کو آباد کریں، اس ظلم، اس طبقاتی اختلاف غربا کا شدید فقر اور افراد کی حد سے زیادہ دولت نہ رہے۔ انسان ظلم کا شکار نہ ہو، نا انصافی اور روا داری نہ رہے اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔

وَ يَأْمَنَ الْمَظْلُومُونَ مِنْ عِبَادِكَ. [2]

اور ہماری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تیرے ستم دیدہ اور مظلوم بندوں کو امن و امان اور سکون دلائیں۔

وہ ایسا زمانہ تھا کہ جو بھی حکام وقت کی عیش و نوش اور ہوسرانیوں کے خلاف آواز بلند کرتا تھا اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ [3]

---

[1] تحف العقول/ النص/ ۲۳۹

[2] تحف العقول/ النص/ ۲۳۹

[3] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۲:۱۰:۱۹۸۴

شہدائے کربلا کی عظمت کا راز

تمام شہدا برابر نہیں ہیں بلکہ بعض شہادتیں بعض دوسری شہادتوں سے افضل و برتر ہیں۔شہدائے کربلا اس لئے دوسرے شہدا پر افضلیت نہیں رکھتے کہ وہ بھوکے پیاسے شہید ہوئے۔ایسے بہت سے شہدا ہیں جو آخر وقت تک تشنہ لب رہے۔ بلکہ شہدائے کربلا کی فضیلت اس حساس موقع پر شہید ہونا ہے۔ان حالات میں اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور یہ شہادتیں نہ دی جاتیں تو دین کی بساط الٹ کر رہ جاتی۔ جو کام جتنا حساس ہوا اتنا سخت بھی ہوتا ہے۔اسی لئے اس بات کا یقین کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ حسین ابن علی علیہالسلام پانچ مہینے یا اس سے کچھ زیادہ مکہ اور مدینہ کے درمیان سرگرداں رہے تا کہ سب لوگ جان لیں (کہ کیا ہونے والا ہے اور وہ کیا کرنے والے ہیں) اور سب جان بھی گئے کوفی، عراقی، حجازی سب کو معلوم ہو گیا تھا اور امام صرف چالیس پچاس لوگوں کے ساتھ کربلا میں وارد ہوئے کیونکہ سب اسی دن امام کے ساتھ نہیں آئے تھے بلکہ بہت سے بعد میں آئے تھے اور کچھ تو شب عاشور یا صبح عاشورا امام سے ملحق ہوئے تھے۔ان چالیس آدمیوں کا امام کے ساتھ رہنا یقیناً بہت سخت تھا اس لئے کہ دشمن کے اتنے بڑے سیلاب کے سامنے ڈٹے رہنا معمولی بات نہ تھی بلکہ اس کے لئے مضبوط ارادوں والا دل ہونا چاہئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی طرح نہیں تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہاتھ میں پرچم لے کر نکلتے تھے اور سب لوگ ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔پیغمبر کی ہمراہی میں نکلتے تھے اور

میدان جنگ میں پہنچ جاتے تھے۔آج تمام اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھروں میں بیٹھ گئے تھے عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور دوسرے افراد منہ چھپا کر بیٹھ گئے تھے جب کہ یہ لوگ پیغمبر کے قرابتداروں میں سے تھے۔

صرف ایک چھوٹا سا شجاع بہادر، نڈر، کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے والا گروہ آمادہ تھا کہ تمام چیزوں کو نچھاور کر کے پیغمبر کے نواسے پر اپنی جان قربان کرے۔

شہدائے کربلا کی اہمیت کی وجہ یہ ہے۔چونکہ اس وقت یہ فیصلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔ اسی لئے ابن زبیر، ابن عمر، ابن جعفر اور ابن عباس جیسے افراد اس قافلہ میں شامل نہ ہو سکے اور یہ سب ایک صف میں تھے ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔کوئی یہ تصور نہ کرے کہ عبداللہ ابن جعفر اور عبد اللہ ابن عباس دوسروں سے الگ تھے۔جی نہیں ایسا نہیں ہے! نافرمانی نافرمانی ہے چاہے وہ کوئی بھی کرے۔ان سب نے نافرمانی کی تھی کسی میں بھی جرأت نہیں تھی کہ حسین ابن علی علیہما السلام کا ساتھ دے سوائے ان چند افراد کے۔

ہم پوری تاریخ میں شہدائے کربلا جیسے عظیم شہدا تلاش نہیں کر سکتے۔آج بھی ویسے ہی دن ہیں آج ہمارے شہدا بھی بہت عزیز اور باعظمت ہیں لیکن جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا (لا یوم کیومک یا ابا عبداللہ) کوئی دن کربلا کے دن کی طرح نہیں ہوسکتا۔تاریخ میں آج تک ایسا دن نہیں آیا۔اسلام سے پہلے، صدر اسلام میں اور اس کے بعد سے آج تک ہمیں ایسا کوئی دن نہیں ملتا جو کربلا کی طرح ہو۔یہی وجہ ہے امام حسین علیہ السلام کو سید الشہدا اور بقیہ شہدائے کربلا کو شہدائے تاریخ کا سردار کہا جاتا ہے جو سب سے عظیم اور سب سے برتر ہیں۔[1]

---

[1] قصر فیروز یونٹ میں سپاہ پاسداران کے درمیان خطاب ۱۹۸۵:۹:۲۴

چراغ ہدایت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ یقیناً سب نے سنی ہوگی

إِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدَىٰ وَسَفِينَةُ النَّجَاةِ.[1]

بے شک حسین علیہ السلام ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔

یہ صرف کسی ایک خاص زمانے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر زمانے میں ایسا ہی ہے۔ البتہ بعض زمانوں میں خاص طور پر اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جب واقعہ عاشورا پیش آیا یہ انہی زمانوں میں سے تھا۔علی و فاطمہ علیہما السلام کے لخت جگر کا چراغ ہدایت اور کشتی نجات ہونا ان لوگوں کی سمجھ میں آ گیا جو ان کی معرفت حاصل چکے تھے۔

امام حسین علیہ السلام واقعہ عاشورا سے دس سال پہلے امام بن چکے تھے آپ اس وقت بھی چراغ ہدایت اور کشتی نجات تھے لیکن یہ بات لوگوں کے لئے اتنی واضح اور روشن نہیں تھی واقعہ عاشورا میں واضح طور پر جلوہ گر ہوئی۔آج بھی وہی زمانہ ہے۔

آج سے سو سال بلکہ پانچ سو سال کی بہ نسبت امام عالی مقام کا چراغ ہدایت ہونا زیادہ سمجھ میں آتا ہے۔آج جب ہم کہتے ہیں کہ یہ زمانہ عصر تحریک اور عصر انقلاب ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج حسین ابن علی علیہما السلام پھر سے ایک ماہتاب عالم تاب بن کر چمک اٹھے ہیں (جو تیرہ سو سال سے اس امت کے دل میں، ہماری مساجد، امام بارگاہ اور ہماری مجالس و محافل میں ایک چراغ بن کر چمک رہے تھے) جیسے واقعۂ کربلا کے وقت بہت سے افراد تھے جو اس چراغ کی نورانیت کو نہ دیکھ سکے آج بھی ایسے افراد ہیں جو دل افروز چراغ عالم تاب کو نہیں

---

[1] مدينة معاجز الأئمة الإثنى عشر / ج4/ 52/ السادس عشر و مائة أنه مكتوب عن يمين العرش أن الحسين-عليه السلام-مصباح الهدى..... ص: 51

دیکھ پا رہے ہیں۔[1]

غیر جانبدار لوگ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی معاشرے پر ایسا حاکم مسلط ہو جائے جو حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر رہا ہو، خدا کے عہد و پیمان کو پامال کر کے لوگوں پر ظلم وستم ڈھا رہا ہو اور کینہ و دشمنی کی بنیاد پر لوگوں سے بدسلوکی کر رہا ہو، تو جو انسان اس صورتحال کو دیکھ رہا ہو، اپنی زبان و عمل سے اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرے

كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَن يُدخِلَهُ مُدخَلَهُ.[2]

خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو بھی وہیں رکھے جہاں اس ظالم کا ٹھکانہ ہے اور اسے بھی اس کے ساتھ عذاب میں مبتلا کرے۔

آج بہت سے اسلامی ممالک میں ظالم و جابر حاکموں کی حکومت ہے جو حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال کرنے میں لگے ہیں۔ خدا کے عہد کو توڑ کر امریکہ سے عہد و پیمان کرتے ہیں۔ ایسے ممالک میں وہ لوگ جو خاموش تماشائی بنے ہیں اور اس علم کے مقابلے اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے یہ لوگ درحقیقت کس زمرے میں ہیں؟

یہ سب قوت و طاقت جو خدا کی ملکیت ہے ان افراد کے ہاتھ سے نکل کر غیروں کے ہاتھ میں جا رہی ہے۔ جہاں پر اتنا فساد ہو ظلم و زیادتی اور ناانصافی ہو وہاں خاموش اور بے پروا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنی معنوی قوت کو روک لیا ہے اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کر رہا ہے۔

---

[1] نو اور دس محرم سے قائد انقلاب کا خطاب ۲۶:۱۰:۱۹۸۲

[2] مكاتيب الأئمة عليهم السلام / ج3 / 143 / 15 كتابه عليه السلام إلى أهل الكوفة قبل وصوله إلى كربلا يرغبهم في نصرته..... ص: 141

یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کسی اور کا نہیں۔

حسین ابن علی علیہما السلام کا قیام بھی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس ظلم وزیادتی اور فساد کے مقابلے اپنی قوت وطاقت کا استعمال کیا اور انسانیت وتاریخ کو اس بات کا سبق سکھایا کہ اگر تمہارے سماج میں اس طرح کی صورتحال پیش آئے تو تمہیں کیا کرنا چاہیے![1]

جہالت اور گمراہی کے خلاف جنگ

امام حسین علیہ السلام کی زیارت اربعین میں ایک جملہ ہے جو اس زیارت کے دوسرے بہت سے جملوں کی طرح پر معنی اور غور طلب ہے اور وہ جملہ یہ ہے

وَمَنَحَ النُّصحَ

یہ ایک زیارت ہے لیکن اس کے ابتدائی جملے دعائیہ کلمات ہیں جس میں انسان خداوند متعال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

وَبَذَلَ مُهجَتَهُ فِيكَ

یعنی اے پروردگار! حسین ابن علی علیہما السلام نے اپنی جان اور اپنا خون تیری راہ میں قربان کیا

لِيَستَنقِذَ عِبادَكَ مِنَ الجَهالَةِ

تا کہ تیرے بندوں کو جہالت کی دلدل سے باہر نکالے

وَحَيرَةِ الضَّلالَةِ

اور گمراہی میں سرگرداں ہونے سے بچائے۔

یہ سکہ کا ایک رخ ہے جسے حسین ابن علی علیہما السلام کہا جاتا ہے سکے کے دوسرے رخ کا

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۴:۴:۲۰۰۰

تعارف اس جملے کے ذریعے کروایا جارہا ہے

وَقَدْ تَوَازَرَ عَلَيْهِ مَنْ غَرَّتْهُ الدُّنْيَا وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْأَرْذَلِ الْأَدْنَى

یہ وہ لوگ تھے جنہیں زندگی کے فریب نے خود میں مشغول کر دیا تھا۔ مادی دنیا، اس کی زرق و برق اور خواہشات نفسانی نے انہیں خود سے غافل بنا دیا تھا

وَبَاعَ حَظَّهُ بِالْأَرْذَلِ الْأَدْنَى

انہوں نے سعادت و خوش بختی جیسے عظیم سرمایہ کو، جو خدا خلقت کے ساتھ ہر انسان کو عطا کرتا ہے، بہت ناچیز اور حقیر داموں میں بیچ دیا تھا، یہ ہے حسینی تحریک کا خلاصہ۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام کا ظاہری مقابلہ یزید سے تھا لیکن درحقیقت ان کا مقابلہ اس کم عمر کے یزید سے نہیں تھا بلکہ ان کا مقابلہ جہالت، ذلت، گمراہی اور انسان کی زبوں حالی سے تھا۔ امام حسین علیہ السلام ان چیزوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ [1]

دین کے لئے فداکاری

عاشورا کا سب سے پہلا سبق دین اور خدا کی راہ میں فدا ہو جانا ہے۔ عاشورا کا یہ سب سے واضح درس ہے۔ ان سخت حالات میں امام عالی مقام نے تمام مسلمانوں بلکہ تمام عالم بشریت، تمام آزاد منش افراد چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، کو یہ درس دیا کہ اگر انسان کا شرف، اس کی آزادی اور استقلال، انسانی اقدار اور مسلمانوں کا دین خطرے میں پڑ جائے تو ان سخت شرائط میں بھی دین کا دفاع ایک اسلامی اور انسانی فریضہ ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ حالات سخت ہیں یہ بہانہ نہ بنایا جائے کہ بہت مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے اور دین کا دفاع ہمیشہ اور ہر حال میں کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] لشکر عاشورا کے درمیان ایک خطاب ۱۹:۰۸:۸۸ ۱۳

حسین ابن علی علیہما السلام نے محکم ارادے، جذبۂ فدا کاری اور شہادت طلبی کے ذریعہ ان سخت حالات میں دین کا دفاع کیا جب وہ بالکل اکیلے تھے۔ بنی ہاشم اور قریش کے بزرگوں اور اصحاب کی اولاد نے بھی امام کا ساتھ نہ دیا۔ مکہ میں عبداللہ ابن زبیر، مدینہ میں عبداللہ ابن جعفر اور عبداللہ ابن عمر یعنی وہ افراد جن کے باپ صدر اسلام کی قدآور اور نامی شخصیتیں تھیں اور لوگوں کی چشم اُمید اُن پر لگی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن سے لوگوں کی امیدیں وابستہ تھیں لیکن یزیدی ظلم کے مقابلے اُٹھ کھڑے ہونے پر تیار نہ ہوئے اور فرزند پیغمبر کی نصرت پر آمادہ نہ ہوئے۔

کیا حسین ابن علی علیہما السلام ان کی نصرت کی اُمید لگائے بیٹھے تھے؟

کیا ان کے مدد نہ کرنے سے امام اپنے عمل سے دستبردار ہو جاتے؟

نہیں امام نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ جب بیچ راستے ہی میں امام کو خبر ملی کہ اب کوفے والے ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور وہ اکیلے رہ گئے ہیں تو وہ پیچھے نہیں ہٹے۔ جب کربلا کے اس بیابان میں ان کے تمام ساتھی شہید ہو گئے اور صرف چند خواتین یا بچے باقی بچے تو اس وقت بھی دفاع اور جہاد کو جاری رکھا۔ اگر آخری وقت تک امام راضی ہو جاتے اور سر تسلیم خم کر دیتے تو یزیدی فوراً امان لیتے۔ لیکن امام اس کے آگے جھکے نہیں۔

یہ ایک عظیم درس تھا کربلا کے واقعہ کا۔ [1]

جب دینداروں کی قلت ہو جائے

عاشورا کا ایک درس یہ بھی ہے کہ اس نے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا کوفے کے بہت سے بزرگوں اور رؤسائے شہر نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر بلایا تھا اور یہ دعوت اس وقت دی تھی جب امام مدینہ سے نکل چکے تھے۔ لوگوں کو خبر نہیں تھی کہ ماجرا کیا ہے؟

---

[1] امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۱۶:۵:۱۹۸۴

ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک سخت امتحان اور دشوار مرحلہ سے گزرنا ہوگا۔ مکہ سے بہت سے افراد امام کے ساتھ نکلے تھے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس تحریک کا انجام کیا ہوگا۔ اگر چہ بظاہر راستہ دشوار نظر آ رہا تھا لیکن ابھی حقیقت حال سے بے خبر تھے۔ جیسے ہی حقیقت دھیرے دھیرے ظاہر ہونے لگی حق وحقیقت کے طرفدار کم ہونے لگے۔ سختیوں نے اہل دنیا کو بھگا دیا۔ جیسے کہ خود امام فرماتے ہیں:

إِنَّ النَّاسَ عَبِيدُ الدُّنْيَا وَ الدِّينُ لَعْقٌ عَلَى أَلْسِنَتِهِمْ يَحُوطُونَهُ مَا دَرَّتْ مَعَايِشُهُمْ فَإِذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُونَ.[1]

اس وقت صورت حال بالکل یہی تھی۔ جب مشکلات سامنے آتی ہیں تو دینداروں کی تعداد میں کمی ہونے لگتی ہے اور جب تک آرام اور سکون ہے دعویدار بہت ہوتے ہیں۔ اس وقت مکہ، مدینہ، کوفہ اور پورے عالم اسلام میں بہت سے افراد تھے جن کا دعویٰ تھا کہ وہ دین کے پیرو کار ہیں اور بے چوں وچرا اس پر عمل کرنے والے ہیں۔

بہت سے لوگ تھے جو حسین ابن علی علیہما السلام کو فرزند رسول کے عنوان سے پہچانتے تھے، مانتے تھے اور ان سے محبت بھی کرتے تھے لیکن جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلنے لگے تو ان میں سے بہت سے امام کے ساتھ آنے پر تیار نہ ہوئے۔

آپ یہ تصور نہ کریں کہ عبداللہ ابن جعفر امام کو نہیں مانتے تھے یا بنی ہاشم کے وہ افراد جو امام کے ساتھ نہیں آئے امام کو امام نہیں سمجھتے تھے۔

جی نہیں؛ ایسا نہیں ہے۔

یہ سب حسین ابن علی علیہما السلام کو اپنا امام مانتے تھے انہیں فرزند رسولؐ اور ایک عظیم انسان سمجھتے تھے لیکن ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے چونکہ بہت سخت تھا امام کا ساتھ دینا۔[2]

---

[1] تحف العقول/النص/245/وعنه ع فی قصار هذه المعانی..... ص: 245

[2] سپاہ جنوب کے ایک گروہ سے خطاب ۱۹۹۸:۸:۲۰

صبر جمیل

امام حسین علیہ السلام اپنا سب کچھ اپنا سب سے قیمتی اور عظیم سرمایہ میدان میں لے کر آ گئے تا کہ دین کا دفاع کریں اور پھر صبر بھی کیا۔ امام کا یہ صبر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہم نہیں جانتے صبر کسے کہتے ہیں۔ صبر کی حقیقت کو صبر کی جگہ سمجھا جا سکتا ہے۔ بہت سی بزرگ شخصیتیں، محدثین، برجستہ افراد عقلا، ہمدرد، سب بار بار آتے تھے اور امام سے کہتے ہیں آپ ایک ایسا کام کرنے جا رہے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ خود آپ کو بھی گھاٹا ہوگا اور خاندان پیغمبر کو بھی اور آپ کے اس کام سے اہل حق ذلیل ورسوا ہونگے۔

اس طرح کی باتیں کرتے تھے۔ جب امام نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا اور بہت سے افراد کو معلوم ہوا تو اخلاقی رکاوٹیں شروع ہوگئیں اور شب عاشور تک جاری رہیں۔ لیکن امام عالی مقام نے ان تمام چیزوں کے مقابل صبر کیا وہی صبر جس کا میں نے تذکرہ کیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح صبر کیا۔ جب آپ نے تحریک شروع کی تو آپ سے کہا جاتا تھا: آقا یہ جوان نابود ہوجائیں گے۔ قتل کر دیئے جائیں گے، حکومت اور نظام خطرہ میں پڑ جائے گا لیکن آپ نے صبر کیا۔ ان خیر خواہوں کی نصیحتوں کے آگے صبر کرنا بہت عظیم کام ہے۔ صبر کرنے کے لئے بہت قوت وطاقت درکار ہے۔

صبر صرف جسمانی مشکلات اور اذیتوں کے مقابل نہیں ہے۔ مصلحت پسندی اور مصلحت تراشی جیسے دباؤ کے مقابلے صبر اور صحیح، اور واضح راستے سے جدا نہ ہونا وہ صبر جمیل ہے جسے امام حسین علیہ السلام نے انجام دیا۔ [1]

---

[1] درس خارج کی اختتام پر چند کلمات ۱۲:۳:۲۰۰۲

سب کچھ قربان کر دیا

ایک محدث یا ایک مفسر وہ شخص ہوتا ہے لوگ جس کے پاس آتے ہیں۔ اس کے علم سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اس کی نصیحتوں کو سنتے ہیں۔ اس طرح کے افراد تھے، اس طرح کے نمایاں افراد تھے جو لشکر حسینی میں شامل تھے۔ البتہ ان بہتر افراد کے ساتھ کچھ خواتین، کچھ بچے، بہنیں، بیویاں، بیٹیاں حرم اہل بیت، امام حسین علیہ السلام کے اعزا و اقارب یہ سب تھے جنہیں امام اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان سب کو لائے تا کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قربانی دیں۔ امام حسین علیہ السلام کو آغاز سفر ہی سے اس واقعہ کی توقع تھی۔

امام حسین علیہ السلام کا قیام اس شخص کی طرح نہیں تھا جو موت سے فرار اختیار کر رہا ہو۔ بلکہ وہ اس شخص کی طرح تھے جو مسکرا کر موت کا استقبال کرتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام حکومت کے خواہاں نہیں تھے، یا کوفہ کو اپنے کنٹرول میں نہیں لینا چاہتے تھے یا یہ کہ وہ صرف ایک کھیل تماشا کر رہے تھے، امام حسین علیہ السلام یقیناً کوفہ کی حکومت کے لئے نکلے تھے لیکن اپنی شہادت کو بھی دیکھ رہے تھے اور جو افراد ان کے ساتھ تھے اور ان کی بات سنتے تھے ان سے فرمایا کرتے تھے:

مَنْ كَانَ بَاذِلًا فِينَا مُهْجَتَهُ وَمُوَطِّناً عَلَى لِقَاءِ اللهِ نَفْسَه ...[1]

وہ شخص جو حاضر ہے کہ ہماری راہ میں اپنا خون دے، خود بھی حاضر تھے کہ اپنا خون دیں، مکمل طور سے آمادہ تھے۔ وہ شخص جس نے اپنے نفس کو آمادہ کر لیا ہے خدا سے ملاقات کے لئے۔

---

[1] نزهة الناظر و تنبيه الخاطر / 86 / لمع من كلام الإمام الشهيد سيد شباب أهل الجنة أبي عبد الله الحسين بن علي عليهما السلام

امام نے اپنے کو آمادہ کر لیا تھا کہ خدا سے ملاقات کریں اور جانتے تھے کہ شہید ہوجائیں گے اور انہیں یہ امید بھی تھی کہ شہادت سے پہلے اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام کے پاس جو کچھ تھا سب لے کر آئے اس خونخوار دشمن اسلام اور قرآن کے سامنے، کیونکہ جانتے تھے کہ اس قربانی سے راستہ کھل جائے گا۔ [1]

تلوار ہمیشہ تیار رہے

ایک روایت کے مطابق شب عاشور امام حسین علیہ السلام تنہائی میں ایک شعر گنگنا رہے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ اب ان کا وقت آخر آ گیا ہے جناب زینب سلام اللہ علیہا وہیں کھڑی تھیں لہٰذا یہ سن کر گریہ کرنے لگیں۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اس وقت اپنی تلوار کو صیقل کر رہے تھے۔

یعنی امام حسین علیہ السلام یہ نہیں کہہ رہے تھے کہ کل تو ہم نے جانا ہی ہے اب چاہے ایک گھنٹے پہلے یا ایک گھنٹہ بعد میں لہٰذا اگر تلوار تھوڑی کند بھی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

جی نہیں! راہ خدا میں جہاد کرنے والے کی تلوار کند نہیں ہونی چاہیے یعنی اس کی قوت و طاقت بہت اعلیٰ و ارفع ہونی چاہیے۔ [2]

زینبی کردار

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی شخصیت غم و اندوہ اور تیمارداری میں ہی خلاصہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک مسلمان خاتون کا مکمل نمونہ تھیں۔

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۷:۱۰:۱۹۸۳

[2] قصر فیروز یونٹ میں سپاہ پاسداران کے درمیان خطاب ۲۴:۹:۱۹۸۵

یعنی وہ آئیڈیل جسے اسلام نے خواتین کی تربیت کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی شخصیت، ایک ہمہ گیر شخصیت ہے۔ عالم ودانا، صاحب معرفت اور ایک نمایاں انسان کہ جب بھی کوئی ان کے سامنے کھڑا ہوتا ہے ان کی علمی ومعنوی عظمت اور معرفت کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

ایک مسلم خاتون جس پہلو کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتی ہے یہی ہے یعنی اسلام کو اپنے وجود میں بسانا۔

ایمان کی برکت اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے سے ایک مسلمان عورت کا دل اس قدر کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے حادثات اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی زندگی کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عاشورا جیسا عظیم واقعہ زینب سلام اللہ علیہا کو جھکا نہیں سکا۔ یزید اور ابن زیاد جیسے ظالم وستمگر افراد کی ظاہری حشمت اور جاہ وجلال زینب کو نہ للکار سکے۔

زینب سلام اللہ علیہا نے ہمیشہ اور ہر جگہ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا۔ ان کا وطن مدینہ ہو یا سخت امتحان وآزمائش کی آماجگاہ کربلا یا پھر یزید وابن زیاد کا دربار ہر جگہ زینب سلام اللہ علیہا ثابت قدم اور سربلند رہیں اور باقی سب ان کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ یزید اور ابن زیاد جیسے مغرور اور ستمگر افراد اس دست بستہ اسیر کے سامنے ذلیل وخوار ہو گئے۔

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی شخصیت میں ایک طرف صنف نسواں کی عطوفت ومہربانی ہے او ردوسری طرف ایک مومن انسان کے دل میں پائی جانے والی متانت، عظمت اور سکون و پائیداری، ایک مجاہد راہ خدا کی صاف اور گویا زبان۔ ایک پاک وخالص معرفت، جو ان کی زبان ودل سے نکلتی اور سننے والوں کو مبہوت کر دیتی ہے۔

ان کی نسوانی عظمت، جھوٹے بزرگوں کو حقیر وپست بنا دیتی ہے اسے کہتے ہیں نسوانی

عظمت! حماسہ اور عطوفت سے مرکب وہ عظمت جو کسی فرد میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔

وہ ہستی جو اپنی متین شخصیت اور پائیدار روح کے ذریعہ تمام ناگوار حوادث کو سر کر جائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو شجاعت و بہادری سے اپنے پیروں تلے روند ڈالے۔ لوگوں کو درس دے اور انہیں بیدار کرے۔ ساتھ ہی اپنے زمانے کے امام کو ایک مہربان ماں کی طرح تسلی و تشفی دے۔ اور ان نازک حالات اور طوفان حوادث میں یتیم بچوں کی حفاظت اور ان کی تسلی و تسکین کے لئے ایک محکم دیوار بن جائے۔

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا ایک ہمہ گیر شخصیت تھیں۔ اسلام ایک عورت کو اسی طرف لے جانا چاہتا ہے۔[1]

ہنرمندانہ گفتگو

میری نظر میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کو ادبیات و ہنر کے ذریعہ عظیم واقعات و حوادث کی حفاظت کرنے اور انہیں بچانے کا بانی کہا جا سکتا ہے۔

اگر جناب زینب سلام اللہ علیہا نہ ہوتیں اور ان کے بعد دوسرے اہل حرم جیسے امام سجاد علیہ السلام نہ ہوتے تو تاریخ میں واقعہ کربلا کا نام نہ ہوتا۔

سنت الٰہی یہی ہے کہ اس طرح کے واقعات تاریخ میں باقی رہیں۔ البتہ سنت الٰہی کا یہ ایک شیوہ اور طریقہ ہے۔ تاریخ میں ان واقعات کی بقا کا طریقہ یہ ہے کہ صاحبان اسرار، اہل درد اور وہ افراد جو ان حقائق سے مطلع ہیں وہ دوسرے کو ان سے آگاہ کریں۔ اس لئے اپنی یادداشت کو بیان کرنا، انہیں مدون کرنا اور حقائق کو دوسرے تک منتقل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے۔

---

[1] ایک عوامی مجمع سے خطاب ۱۵:۶:۲۰۰۵

ہنرمندانہ بیان اور گفتگو اس کی ایک بنیادی شرط ہے جیسے کوفہ و شام میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبات حسن بیان اور جذابیت کے اعتبار سے ایک ہنرمندانہ گفتگو تھی۔ ایک ایسی گفتگو کہ کوئی بھی اُسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔ جب ایک مخالف اس گفتگو کو سنتا ہے تو وہ ایک تیز تلوار کی طرح اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ہنر کا اثر اپنے مخاطب سے وابستہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہے یا نہ چاہے ہنر اپنا کام کر دکھاتا ہے شام میں جناب زینب سلام اللہ علیہا اور امام سجاد علیہ السلام نے اپنے فصیح و بلیغ اور ہنرمندانہ گفتگو کے ذریعہ یہی کام کیا۔ [1]

---

[1] دفتر ادبیات ہنر و مقاومت کے ایک گروہ سے خطاب ۲۲:۹:۲۰۰۵

قیام امام حسین علیہ السلام میں تین بنیادی عناصر

امام حسین علیہ السلام کے قیام میں تین بنیادی عنصر پائے جاتے ہیں:

(۱) عنصر منطق و عقل، (۲) عنصر عزت و حماسہ

(۳) عنصر مہر و عطوفت

عنصر منطق و عقل

عقل و منطق کا عنصر امام عالی مقام کے خطبات اور بیانات میں صاف نظر آتا ہے۔ واقعہ سے پہلے سے یعنی مدینہ سے کربلا تک امام کے نورانی بیانات کا ایک ایک جملہ ایک محکم اور پائیدار عقل و منطق کی حمایت کرتا ہے۔

اس منطق کا خلاصہ یہ ہے جب حالات سازگار ہوں، اسباب فراہم ہوں اور موقع غنیمت ہو تو مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیام کرے۔ چاہے اس میں خطرات ہوں یا نہ ہوں۔ جب اساس دین خطرے میں ہو اور آپ اپنی زبان و عمل سے اس کا مقابلہ نہ کریں تو خدا یہ حق رکھتا ہے کہ اس غیر ذمہ دار انسان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسے اس ظالم اور ستمگر کے ساتھ کرے گا۔[1]

---

[1] دوکوہہ میں ہزاروں راہیان نور اور عوام سے خطاب ۲۹:۳:۲۰۰۲

عنصر عزت وحماسہ

دوسرا عنصر، حماسہ ہے۔ یہ مجاہدت اور یہ مقابلہ اسلامی عزت ووقار کے ساتھ ہو

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ [۱]

کیونکہ عزت صرف خدا، اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ اس قیام اور جہاد میں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی اور اسلام کی عزت کی حفاظت کرے۔ اس مظلومیت کے اوج پر آپ کو ایک چہرہ نظر آتا ہے ایک حماسی اور صاحب عزت چہرہ۔

اگر ہم آج کے سیاسی اور فوجی مقابلوں اور جہاد پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ وہ افراد ہاتھ میں بندوق لے کر میدان جنگ کے لئے نکل پڑے، بسا اوقات انہوں نے خود ذلیل کیا ہے۔ لیکن واقعہ عاشورا میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام ایک شب کی مہلت مانگتے ہیں تو عزت مندانہ طریقے سے مہلت لیتے ہیں۔ جب "ھل من ناصر" کہہ کر نصرت طلب کرتے ہیں وہاں بھی عزت واقتدار ہے۔ مدینہ سے کوفہ تک کے راستے میں جب مختلف افراد سے ملتے ہیں، ان سے گفتگو کرتے ہیں اور انہیں اپنی نصرت کی دعوت دیتے ہیں یہ ضعف وناتوانی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک نمایاں اور دلیرانہ عنصر ہے۔

(اسی زمانے میں) مدرسہ فیضیہ میں عاشور کے دن امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اس یادگار خطاب کو یاد کیجئے۔ ایک عالم جس کے پاس نہ کوئی مسلح فوجی ہے نہ کوئی ہتھیار لیکن پھر اس عزت و وقار کے ساتھ گفتگو کرتا ہے کہ اپنی عزت کے آگے دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ ہے عزت کا مقام ومرتبہ۔ [۲]

---

[۱] سورۂ منافقین: ۸

[۲] محرم سے پہلے علما وفضلا درمیان ایک خطاب ۲۵:۱:۲۰۰۶

عنصر مہر وعطوفت

عاشورا کا تیسرا عنصر مہر وعطوفت ہے۔ جو خود اس واقعہ میں بھی نظر آتا ہے اور اس کے بعد بھی نظر آتا ہے۔ اس عنصر کا بہت اہم رول رہا ہے جس نے عاشورائی اور شیعہ تحریک کو دوسری تحریکوں سے ممتاز بنا دیا۔

عاشورا صرف ایک عقلی اور استدلالی تحریک نہیں ہے بلکہ اس میں عشق و محبت، نرمی و مہربانی اور گریہ واشک کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔

جذبات و احساسات کی طاقت بہت عظیم طاقت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ہمیں حکم دیتا ہے رونے کا رلانے کا اور اسے واضح اور روشن کرنے کا۔ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کوفہ وشام میں ایک گفتگو کرتی ہیں لیکن ساتھ میں مرثیہ بھی پڑھتی ہیں امام سجاد علیہ السلام شام کے منبر پر جا کر عزت وافتخار کے ساتھ حکومت وقت کو پکارتے ہیں لیکن مرثیہ پڑھتے ہیں۔

جذبات اور احساسات کے ماحول میں بہت سے ایسے حقائق کو سمجھا جا سکتا ہے جو دوسری جگہوں پر سمجھ میں نہیں آتے۔ [1]

---

[1] اسلامی جمہوریہ ے تیر پارٹی کے ممبران سے خطاب ۲۲:۵:۱۹۸۲

عاشورا روزِ مصیبت مگر حیات سلام کا دن

واقعہ کربلا کو ایک وقت ہم مصیبت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں جس میں تمام مصیبتیں پائی جاتی ہیں ہم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس کی بہت زیادہ برکات تھیں (اور ہیں) اور یہ اس واقعہ کا جذباتی، احساساتی اور عاطفی پہلو ہے۔

امام حسین علیہ السلام کون تھے؟

کیوں قتل کیے گئے؟

کیسے قتل کئے گئے؟

کن لوگوں نے انہیں قتل کیا؟

اور اسی طرح کے دوسرے سوالات۔

لیکن ایک بار آپ عاشورا کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اسلام مر رہا تھا عاشورا نے اسے زندہ کیا۔ اس خون اور اس شہادت کے ذریعہ دم توڑتا اسلام پھر سے زندہ ہو گیا۔ جب آپ اس نگاہ سے عاشورا کو دیکھیں گے تو آپ بھول جائیں گے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا؟ آپ بھول جائیں گے کہ امام حسین علیہ السلام جیسی کسی شخصیت کا قتل ہو کیونکہ اس واقعہ کا یہ مثبت پہلو اتنا صاف، شفاف اور حاوی ہے کہ تمام منفی پہلوؤں کو چھپا دیتا ہے۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو سید ابن طاؤس کہتے ہیں:

"اگر یہ درد و غم اور مصیبتیں نہ ہوتیں تو ہم عاشور کے دن نیا لباس پہنتے اور اسے ایک عید کے طور پر مناتے۔"[1]

ے[1] تیر کے حادثہ کے متعلق ایک اخباری انٹرویو ۱۶:۶:۱۹۸۲

خون کی خاصیت

دنیا کی بزرگ اور نمایاں شخصیات جب ایک عظیم مقصد کی راہ میں شہید ہوجاتی ہیں وہ اگر چہ اس تحریک، اس انقلاب یا اس معاشرے کو اپنے فقدان کے ذریعہ ایک اہم اور گرانقدر شخصیت سے محروم کر دیتی ہیں لیکن اپنی فدا کاری اور اپنے خون وشہادت کے ذریعہ اس تحریک کو زندہ کر جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے تاریخ میں ہمارے شہدا کا وجود رہا ہے جس کی ایک واضح مثال واقعۂ کربلا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جیسی بے مثل اور گرانقدر شخصیت جب اس دنیا سے اٹھ جاتی ہے اگر چہ معاشرہ کا اس شخصیت سے محروم ہونا نا قابل جبران نقصان اور خلا کا باعث ہے لیکن ان کی قربانی اتنی عظیم ہے کہ تحریک حسینی زندہ جاوید بن جاتی ہے۔ یہ ہے قربانی اور فداکاری کی تاثیر۔ یہ ہے خون کی خاصیت۔ جب دعوے انسانوں کے خون سے جامۂ عمل پہن لیتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے زندہ ہوجاتے ہیں۔ [1]

عزابرپا کرنے والے غافلو

مولانا روم نقل کرتے ہیں کہ ایک شاعر شہر حلب میں داخل ہوا۔اس نے دیکھا کہ پورے شہر کے در و دیوار سیاہ پوش ہیں۔اس نے سوچا شاید کوئی بادشاہ، شہزادہ، سردار یا شہر کا کوئی

[1] مجاہدین لشکر نجف اشرف سے خطاب ۱۹۸۸:۸:۱۵

معزز انسان دنیا سے چل بسا ہے۔ کسی سے پوچھا کہ آخر کون مر گیا جو پورا شہر سیاہ پوش ہو گیا ہے؟ اس شخص نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پوچھا: کیا تم اس شہر میں اجنبی ہو؟

جواب دیا: ہاں!

بولا: میں سمجھ گیا تھا کہ تم اجنبی ہو اسی لئے پوچھ رہے ہو۔ یہ محرم کا مہینہ ہے۔ حسین ابن علی علیہما السلام کی شہادت کا مہینہ ہے اسی لئے ہم سب سیاہ پوش ہو گئے ہیں۔

اب شاعر نے اس سیاہ پوش کے جواب میں شعر کہنا شروع کیا کہ جب یہ لوگ جو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں اور حسین ابن علی علیہما السلام شہید کئے گئے ہیں تو یہ ان کی خوشی اور جشن کا دن ہے۔

زانکہ ایشان خسرو دین بودہ اند
وقت شادی شد جو بگستند بند
سوی شاد روان دولت تاختند
کندہ و زنجیر را انداختند

وہ شہید ہو کر خوش ہوئے لہٰذا ان کے دوستوں کو بھی ان کی شہادت پر خوش ہونا چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو آج کیوں معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے؟ آج معلوم ہوا تو عزاداری بپا کر رہے ہیں؟ ان چند سو سالوں میں (چوتھی اور پانچویں صدی میں) دنیائے اسلام یہ نہ سمجھی کہ حسین ابن علی علیہما السلام شہید ہو گئے اور انہیں کیوں شہید کیا گیا؟ تم خواب غفلت کا شکار تھے۔

پس عزا برخود کنید ای خفتگان
زانکہ بد مرگسیت این خواب گران

حقیقت ہے جو لوگ جو یہ نہ سمجھ پائے کہ امام حسین علیہ السلام کیوں شہید ہوئے۔ جو یہ نہ سمجھ پائے کہ وہ علم جو حسین ابن علی علیہما السلام کے ہاتھوں میں تھا وہ کیوں بلند کیا گیا اور امام حسین علیہ السلام کو

ماننے والوں کی ذمہ داری کیا ہے، انہیں خود پر رونا چاہیئے جب بھی امام حسین علیہ السلام کے نام پر آپ کے دل میں سوزش ہو اور آپ گریہ کریں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیئے کہ اس عزاداری اور ان اشکوں کا کیا پیغام ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی غافل رہیں اور پھر خود پر گریہ کریں اور حسین ابن علی علیہما السلام کو نہ سمجھ پائیں۔ [1]

چہلم

چہلم کی اہمیت کس وجہ سے ہے؟

کیا صرف اس لئے کہ امام عالی کی شہادت کے چالیس دن گذر چکے ہیں؟

آخر اس کی کیا خاصیت ہے؟

چہلم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن سید الشہدا کی شہادت کی یاد تازہ ہوئی اور یہ بہت اہم چیز ہے۔

فرض کیجیے اگر تاریخ میں یہ عظیم واقعہ رونما ہوتا یعنی حسین ابن علی علیہما السلام اور ان کے باوفا ساتھیوں کی شہادت ہوجاتی اور بنی امیہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے یعنی جس طرح انہوں نے امام عالی مقام اور ان کے ساتھیوں کے جسم ہائے مبارک کو خاک وخون میں غلطاں کیا اسی طرح اس وقت کے لوگوں اور آنے والی نسلوں کے ذہنوں سے ان کی یاد بھی مٹا دیتے تو کیا ایسی صورت میں اس شہادت کا اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا؟

یا یہ فرض کریں کہ اس وقت اس کا ایک اثر ہوتا لیکن کیا آنے والی نسلوں پر اور مستقبل کی بلاؤں، مصیبتوں، تاریکیوں اور یزیدان وقت پر بھی اس کا کوئی خاص اثر ہوتا؟

ایک قوم کی مظلومیت اس وقت دوسری ستمدیدہ زخمی اقوام کے لئے مرہم بن سکتی ہے

---

[1] لشکر ۱۹ فجر شیراز سے خطاب ۱۹۸۸:۸:۱۵

جب یہ مظلومیت ایک فریاد بن جائے۔اس مظلومیت کی آواز دوسرے لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچے۔

یہی وجہ ہے کہ آج بڑی طاقتیں ایک آواز پر دوسری آواز بلند کرتی ہیں تا کہ ہماری فریاد بلند نہ ہونے پائے۔

اسی لئے وہ بے تحاشہ پیسہ خرچ کررہے ہیں تاکہ دنیا نہ سمجھ پائے کہ تحمیلی جنگ کیا تھی؟

کیوں پیش آئی؟

اس کا محرک کون تھا؟

کس کے ذریعہ تھوپی گئی؟

اس وقت بھی استکباری طاقتوں کی پوری کوشش تھی کہ جو بھی جتنا بھی خرچ ہو کسی بھی طرح سے امام حسین علیہ السلام کا نام، ان کی یاد، ان کی شہادت اور کربلا و عاشورا لوگوں کے لئے درس نہ بننے پائے اور اس کی گونج دوسری اقوام کے کانوں تک نہ پہنچے۔البتہ شروع میں خود ان کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ شہادت کیا کرسکتی ہے لیکن جتنا زمانہ گزرتا گیا ان کی سمجھ میں آنے لگا۔ یہاں تک کہ بنی عباس کے دوران حکومت میں امام عالی مقام کی قبر کو منہدم کیا گیا۔اسے پانی سے گھیر دیا گیا۔تاکہ اس کا کوئی نام نشان باقی نہ رہے۔

یہ ہے شہدا اور شہادت کی یاد کا اثر۔

شہادت اس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھاتی جب تک اسے زندہ نہ رکھا جائے گا اس کی یاد نہ منائی جائے اور اس کے خون میں جوش نہ پیدا ہو اور چہلم وہ دن ہے جب پیغام حسینی کو زندہ رکھنے کا پرچم لہرایا گیا اور وہ دن ہے جب شہدا کی بقا کا اعلان ہوا اب چاہے امام حسین علیہ السلام کے پہلے چہلم میں اہل حرم کربلا آئے ہوں یا نہ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

چہلم وہ دن ہے جب پہلی بار امام حسین علیہ السلام کے زائر، ان کی زیارت کو آئے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائنات علیہ السلام کے اصحاب میں سے جابر ابن عبد اللہ انصاری اور عطیہ

آئے امام کی زیارت کے لئے۔ جابر اگرچہ نابینا تھے لیکن عطیہ کا ہاتھ پکڑ کر امام حسین علیہ السلام کی قبر پر آئے اور زار و قطار رونے لگے۔ امام حسین علیہ السلام سے گفتگو کی، درد دل بیان کیا۔ امام حسین علیہ السلام کی یاد کو زندہ کیا اور زیارت قبور شہدا کی سنت کا احیا کیا۔ ایسا اہم دن ہے چہلم کا دن۔ [1]

جو قوم اسیر ہے

ہمارے ملک میں لوگ امام عالی مقام کو جانتے اور پہچانتے تھے اور ان کی تحریک سے واقف تھے۔ ان کے اندر حسینی روح تھی اس لیے جب امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

محرم وہ مہینہ ہے جب شمشیر پر خون کی فتح ہوگی۔

لوگوں نے تعجب نہیں کیا اور یہی ہوا بھی خون شمشیر پر فتح پا گیا۔ کئی سال پہلے یعنی انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے ایک نشست میں حقیر نے اسی بات کو سمجھانے کے لئے مولانا روم کی زبانی ایک مثال دی اور وہ مثال یہ تھی کہ

ایک شخص تھا جس نے گھر میں ایک طوطا پال رکھا تھا۔ ایک بار اس نے ہندوستان سفر کا ارادہ کیا۔ جب وہ اپنے اہل وعیال سے رخصت ہونے لگا تو اپنے اس طوطے کے پاس بھی گیا اور اس سے کہا: میں تمہارے وطن ہندوستان جا رہا ہوں (تمہیں اپنے ہم وطنوں سے کچھ کہنا ہے)۔

طوطے نے کہا: جب وہاں پہنچو تو فلاں جگہ جانا وہاں میرے بہت سے ساتھی ہوں گے ان سے میرا حال زار بیان کرنا اور کہنا تمہاری طرح کا ایک طوطا میرے گھر میں بھی ہے جسے میں نے پنجرے میں بند کر کے رکھا ہے۔ (میرا یہ پیغام پہنچا دینا) اس کے لئے علاوہ مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔

جب وہ ہندوستان پہنچا اور اس جگہ گیا تو دیکھا کہ درختوں پر بہت سے طوطے بیٹھے

---

[1] تہران اور افراط کے شہدا کے گھر والوں کے درمیان گفتگو ۱۳: ۱۱: ۱۹۸۴

ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر کہنے لگا: اے پیارے اور شیریں زبان طوطو! میں تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔ تمہارا ایک ساتھی میرے گھر میں پنجرے میں بند ہے۔ بہت خوش وخرم ہے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھاتا ہے اور خوب مزے کرتا ہے اس نے تم سب کو سلام کہا ہے۔

جیسے ہی تاجر نے یہ پیغام سنایا سب طوطے پھڑ پھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ تاجر آگے بڑھا اور دیکھا کہ سب مر گئے ہیں۔ اسے بہت افسوس ہوا کہ آخر میں نے ایسی بات کیوں کہی جسے سن کر انہوں نے اپنی جان دے دی۔ لیکن اب تو ہو چکا تھا کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا تھا لہٰذا وہ پلٹ آیا جب گھر آیا تو پنجرے کے پاس جا کر طوطے سے کہنے لگا: میں نے تیرا پیغام تیرے ساتھیوں تک پہنچایا۔

پوچھا: انہوں نے کیا جواب دیا؟

کہا: جیسے ہی انہوں نے تیرا پیغام سنا پروں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے درختوں سے زمین پر گرے اور مر گئے۔

جیسے ہی تاجر کی بات ختم ہوئی اس طوطے نے بھی اپنے پر پھڑ پھڑائے اور پنجرے ہی میں ڈھیر ہو گیا۔

تاجر کو اس بات کا بہت افسوس ہوا اور سوچنے لگا اب تو یہ مر چکا ہے یہاں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے پنجرہ کھول کر اسے پیروں سے پکڑا اور چھت کی طرف اچھال دیا۔

جیسے ہی تاجر نے اسے اوپر اچھالا وہ اڑتا ہوا ایک دیوار پر جا کر بیٹھ گیا اور تاجر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: بہت بہت شکریہ تم نے خود مجھے آزادی دلائی ہے۔ میں مرا نہیں تھا بلکہ میں نے اپنے کو مردہ بنا لیا تھا اور یہ درس میں نے اپنے ساتھیوں کے عمل سے سیکھا تھا۔ جب ان کو تمہاری زبانی پتہ چلا کہ میں پنجرے میں قید ہوں تو انہوں نے سوچا کہ مجھ سے کس طرح کہیں کہ کیا کروں تاکہ آزاد ہو جاؤں؟ انہوں نے عملاً مجھے بتایا کہ اپنی نجات کے لئے کیا کروں۔ انہوں نے مجھ سے کہا مر جاؤ تاکہ زندگی پاؤ اور میں نے تمہاری زبانی ان کا یہ پیغام سمجھ لیا۔ یہ ایک عملی

پیغام تھا جو اتنی دور سے مجھ تک پہنچا تھا اور میں نے اس سے سبق حاصل کیا۔

تقریبا بیس سال پہلے، میں نے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے مخاطب ہوکر کہا: عزیزان گرامی! امام حسین علیہ السلام کس زبان میں کہیں کہ ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ حالات ویسے ہی ہیں۔ زندگی وہی ہے۔ اسلام بھی وہی اسلام ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے عملاً بتایا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اگر امام عالی مقام اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہتے تب بھی ہمیں سمجھ جانا چاہئے تھا کہ ہماری ذمہ داری کیا ہے۔

وہ قوم جو اسیر ہے، وہ قوم جو قید و بند میں ہے۔ وہ قوم جس کے حکام فساد کا شکار ہیں۔ وہ قوم جس پر اسلام کے دشمن حکومت کر رہے ہیں اور اس کی باگ ڈور ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اسے بہت پہلے سمجھ جانا چاہئے کہ اس کی ذمہ داری کیا ہے۔ کیونکہ امام عالی مقام علیہ السلام نے عملاً بتا دیا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ اسے زبان سے نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اگر سو بار بھی زبان سے یہ بات کہتے اور خود نہ جاتے تو ناممکن تھا کہ یہ پیغام تاریخ سے گزر کر ہم تک پہنچتا۔ صرف نصیحت کرنا اور زبان سے کہنا تاریخ سے آگے نہیں بڑھتا کیونکہ ہزاروں طرح سے ان باتوں کی توجیہ اور تاویل کی جاتی ہے۔ لہٰذا عمل ہونا چاہئے اور وہ بھی ایسا عظیم سخت اور فداکاری کے ساتھ کہ جیسا امام عالی مقام نے انجام دیا۔ [1]

بعثت بغیر ہجرت

آج ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اقوام عالم کو یہ سمجھائیں کہ وہ بعثت جس میں ہجرت نہ ہو وہ اسلام کامل نہیں ہے۔ وہ دین جس میں دین کی سیاسی طاقت احکام الٰہی کا نفاذ، اسلامی نظام کی بنیاد اور معاشرے کے پہلو اگر قرآن کے مطابق نہ ہوں تو وہ کامل اسلام نہیں ہے بلکہ ایک ناقص

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۶:۹:۱۹۹۵

اسلام ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے آج عالمی استکبار اور اس کے حواری سخت خائف ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا مکہ کے حادثہ میں، اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی یہ بات واضح اور روشن تھی۔ اس مادی دنیا کے حکمران اور عالمی استکبار کے نوکر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جتنا ممکن ہو سکے یہ ثابت کریں کہ دین کا سیاسی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین معاشرے کی باگ ڈور نہیں سنبھال سکتا اور معاشرے کے سیاسی و اجتماعی مسائل احکام خدا کے ذریعہ حل نہیں کئے جا سکتے۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ دین کو سیاست سے بالکل الگ رکھیں۔

سن ۶۱ ہجری میں واقعہ کربلا ہجرت پیغمبر کا تسلسل تھا فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر ایک اسلامی اور دینی نظام کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اور امام حسین علیہ السلام اس نظام کو زندہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ یہ نظام بنی امیہ اور دشمنان دین کے ہاتھوں انحراف کا شکار ہو گیا تھا۔

یہ ہے واقعہ عاشورا کی صحیح تفہیم اور مسئلہ ہجرت کی صحیح تفسیر۔ محرم انہی خصوصیات کی وجہ سے اسلامی معاشرے بالخصوص شیعہ معاشرے میں ایک خاص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ البتہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا یہ صرف شیعوں سے مخصوص نہیں تھا غیر شیعہ اسلامی ممالک میں بھی محرم، عاشورا اور مصیبت اہل بیت لوگوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے جس کی ایک لمبی داستان ہے۔ [1]

انجمن، صرف جذبات کی بنیاد پر نہیں

انجمن، حسین ابن علی علیہما السلام، مجلس عزا، سینہ زنی، نوحہ و ماتم وغیرہ کے نام پر جذباتی اور فکری اجتماع کا نام ہے۔ یعنی بعض لوگ جمع ہوتے ہیں ان کاموں کے لئے اور ان کے کام کی بنیاد جذبات اور فکر دونوں ہیں صرف جذبات نہیں۔ اگر صرف جذبات ہوں تو اس کا زندگی میں کوئی رول اور اثر نہیں ہوتا اور اسی طرح اگر خشک فکر ہو بغیر جذبات کے تو یہ نفوذ اور بقا نہیں

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۹۸۷:۸:۲۸

رکھتی۔فکراس وقت شاداب ہوتی ہے جب جذبات سے ہم آہنگ ہوجائے۔اوراس محور بھی سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ایک ایسا چشمہ جوکبھی خشک نہیں ہوسکتا ایک ایسا دریا جس کی گہرائی تک انسان نہیں پہنچ سکتا البتہ فکراور جذبات دونوں کے ساتھ۔[۱]

محرم کے ان شب و روز کی قدر سمجھئے اورعزاداری کیجئے اوراس عزاداری میں امام عالی مقام سے درس حاصل کیجئے۔عزاداری صرف رونے کا نام نہیں ہے۔گریہ ایک وسیلہ ہے دلوں کی پاکیزگی قلوب کی طہارت اورحسین ابن علی علیہما السلام کی عظمت کوسمجھنے کا۔اس عزاداری سے درس لینا چاہیئے۔انشاءاللہ خدا سیدالشہداء علیہ السلام کی نظرلطف وعنایت کواس قوم کی طرف موڑے اوران کی دعا کو ہمارے حق میں قبول فرمائے اورہمیں واقعی شیعہ، اہل بیت کا حقیقی پیروکار اورسچا مسلمان قراردے۔[۲]

شیعہ سنی اتحاد

عزاداری کبھی بھی شیعوں سے مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ ہروہ مسلمان جس کے دل میں اہل بیت کی محبت رہی ہے ان کے مصائب پر غمگین اورعزادار رہا ہے اورانہوں نے مختلف طریقے سے اس محبت اورعشق کا اظہارکیا ہے مرثیہ خوانی کے ذریعہ، مذہبی انجمنوں میں عزاداری برپا کر کے اورمجلس و ماتم کے اجتماع کی شکل میں۔مراسم عزا نہایت مقدس اورمحترم ہیں ہم اپنے ملک میں ہمیشہ صحیح شکل اور پرامن صورت میں ان مراسم کے حامی اورمحرک رہے ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی جہاں جہاں موالیان اہل بیت رہتے ہیں یہ مراسم نہ صرف یہ کہ ان کی انجام دہی میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہت اچھا ہے اورقابل قدر ہے۔البتہ شیعہ سنی دونوں کواس

---

[۱] انجمن رزمندگان اسلام کے جوانوں کے درمیان خطاب ۲۵:۸:۲۰۰۵

[۲] مجاہدین لشکرموسی ابن جعفر سے خطاب ۱۶:۸:۱۹۸۸

بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے عالمی استکبار کو اختلاف کی آگ بھڑکانے کا موقع ملے۔ ان مراسم میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے دوسرے فرقوں کی توہین ہوتی ہو۔ برادران اہل سنت کو اس بات کی طرف مکمل توجہ دینی چاہئے کہ آج عالم استکبار کا مقصد اسلامی مذاہب کے درمیان اختلاف ڈالنا ہے جیسے شیعہ سنی میں اختلاف۔ لہٰذا اس دشمن سے دھوکہ نہ کھائیں۔

عاشورا تاریخ اسلام کا ایک عظیم سانحہ ہے اور محرم میں امام حسین علیہ السلام ان کے اصحاب با وفا اور ان کی اولاد کی شہادت کی یاد منانا ہمارا ایک اسلامی فریضہ ہے اور صرف وہی لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں کہ جو حسین ابن علی علیہما السلام اور بزرگان دین کے مقصد سے نا آشنا ہیں یا پھر مخالف ہیں۔ عالمی استکبار شدت سے عزاداری اور عاشورا سے خائف ہے اسی لئے اس کی مخالفت کرتا ہے۔[1]

پروگرامنگ ضروری ہے

محرم وصفر بہت حساس اور اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ محرم وصفر کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ ہے ایک خاص پروگرامنگ۔ مثلاً ایک کمیٹی بنائی جائے جو محرم آنے سے پہلے اس کے بارے میں پروگرامنگ کرے کہ آنے والے محرم وصفر میں حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کون سے موضوعات اہم ہیں۔ ان سے متعلق مواد ومطالب اکٹھا کئے جائیں اور ایک مرکز یا ایک Institute انہیں علما وذاکرین اور خطبا وواعظین کے حوالے کرے۔ ان سے کہا جائے کہ مثلاً آج ان موضوعات اور ان مطالب کو بیان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہا جائے کہ اس لہجہ، اس روش اور اس سیاست کی ضرورت ہے۔

---

[1] محرم سے پہلے تہران کے ائمہ جماعت وواعظین سے خطاب ۲:۸:۱۹۸۹

ایک ایسی پروگرامنگ ابھی تک نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ پروگرامنگ کی کیسے جاتی ہے۔ کہاں سے شروع کی جائے؟ اس سلسلے میں کن لوگوں سے رائے لی جائے؟ اور حاصل شدہ مواد کو کس طرح مختلف افراد تک پہنچایا جائے۔ قرآنی موضوعات حدیثی موضوعات، عالمی، مسائل وغیرہ۔ بہرحال آج ہمارے پاس اسلامی جمہوریہ کا نظام ہے۔ آج ہم ایک مجموعہ کی شکل میں ہیں۔ یک وتنہا نہیں ہیں۔ آج ہمارے پاس ایک نظام ہے۔ آج ہمارے لئے یہ نقص وعیب کی بات ہے کہ تبلیغ کا موسم آئے، ہمارے پاس افرادی قوت بھی ہو لیکن اس کے لئے ہم نے پہلے سے کوئی پروگرامنگ نہ کی ہو۔ [1]

سب کا فریضہ ہے

اگر میں پورے ملک کی مجالس عزا اور عزاداری کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہوں تو یہ فیصلہ سو فیصد صحیح نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کی محبت، خلوص، ارادت، وفاداری اور ایمان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ بعض اہل منبر اور مجالس بہت جذب کرنے والی اور امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔ بعض عزاداریاں بہت اچھی ہیں لیکن سب کچھ یہی نہیں ہے۔

آج ہمیں پوری کوشش اور ہمت کرنی چاہئے کہ انہی مجالس عزا کی برکت سے حسین ابن علی علیہما السلام کے دیئے ہوئے درس کو اپنی پوری قوت وتوانائی کے ساتھ معاشرے کے ذہنوں میں اتاریں کیونکہ آج بحمد اللہ ہماری زندگی کی فضاؤں میں امام حسینؑ، جناب زینب کبریٰؑ، جناب علی اکبرؑ، حضرت ابوالفضل العباس علیہم السلام اور دوسرے بزرگ افراد موجود ہیں اور زندگی کا درس دینے والے یہ سب معلم ہمارے درمیان زندہ ہیں۔

بَلۡ اَحۡیَآءٌ

---

[1] پاکستان میں شیعوں کے خلاف جاری سفاکیت کے سلسلے میں ایک انٹرویو ۱۶:۱۰:۱۹۸۴

یہ وہ کام ہے جو میرا، آپ کا، نوحہ خواں کا، خطیب کا، ماتمی دستوں کا سب کا فریضہ ہے۔

ہمارے پاس ایک خاص ہنر ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے۔

کوئی بھی مذہب یا قوم ایک تو اسے اس طرح مجسم نہیں کر پائی جس طرح ہم نے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسے بقا نہیں دے سکی اس طرح کہ ایمان و جذبات ایک ساتھ مل جائیں اور ایک زندہ تحریک کو وجود میں لائیں جو دن بدن اور زندہ ہوتی جائے۔

آپ کی آج کی عزاداریاں حقیر کی جوانی کے ایام کی عزاداریوں سے زیادہ پر جوش اور بہترین ہیں اور یہ فیضان اسی طرح جاری ہے۔ اب اس کی برکتیں بھی ظاہر ہونی چاہئیں۔ [1]

---

[1] اسلامی جمہوریہ پارٹی کے علما کے درمیان خطاب ۱۲:۹:۱۹۸۵

تبلیغ، حاکمیت اسلام کے زمانے میں

چند صدیوں سے ایران اور دنیا کی ان جگہوں پر جہاں موالیان و پیروان اہل بیت رہتے ہیں، ماہ محرم میں تبلیغ کی سنت جاری وساری ہے۔

اسلام کی حاکمیت کے زمانے اور عدم حاکمیت کے زمانے میں تبلیغ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ان دونوں زمانوں میں تبلیغ کا بنیادی فرق یہ ہے کہ حاکمیت اسلام کے زمانے میں دین مسائل زندگی کے ایک مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں سیاست بھی ہے،حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا اور چلانا بھی ہے خارجہ تعلقات کے مسائل بھی ہیں، دنیا کے مختلف گروہوں کے مقابل مسلمانوں کا اپنا نقطہ نظر بھی ہے، اقتصادی مسائل بھی ہیں لوگوں کے ایک دوسرے سے روابط اور زندگی کے مختلف امور میں اخلاق کی رعایت بھی ہے۔

دین ایک مجموعہ ہے جو انفرادی اور اجتماعی مسائل کو شامل ہیں، اس میں وہ مسائل بھی ہیں جو سب مل کر انجام دیتے ہیں اور وہ مسائل بھی ہیں جو اگرچہ اجتماعی ہیں لیکن ایک شخص بھی انہیں انجام دے سکتا ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جو دنیا اور ملک کی تقدیر کے ساتھ جڑے ہیں۔ جب ہم تبلیغ کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے ان تمام مسائل کی تبلیغ۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تبلیغ اس تبلیغ سے کتنی مختلف ہے جو ہم اسلامی اور الٰہی حکومت کے قیام سے پہلے کیا کرتے تھے۔اس وقت اتنا ہی کافی تھا کہ ہم جس چیز کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اس سے صحیح طور پر آشنا ہوں جو ایسا ہوتا تھا اسے ایک اچھا مبلغ کہا جاتا تھا۔لیکن آج اگر پوری دنیا

اور کم از کم اپنے معاشرے کے حالات سے اچھی طرح واقف نہ ہوں تو ہم ایک اچھے مبلغ نہیں بن سکتے چاہے اس موضوع کے بارے میں ہماری معلومات کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں۔

آج ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمیں جو بات کہنی ہے وہ کہاں سے مربوط ہوتی ہے۔ عالمی سطح پر یا ملکی سطح پر۔ یہ کس گروہ کے حق میں ہے اور کس گروہ کے خلاف، بالکل ایک میدان جنگ کی طرح۔ کبھی انسان ایک دشمن سے روبرو ہوتا ہے اور دفاع کرتا ہے یہ دفاع کی ایک قسم ہے اور کبھی چند کلومیٹر کا پورا مورچہ اس سے روبرو ہوتا ہے اور وہ دفاع کرنا چاہتا ہے ہر دفاع کی نوعیت دوسری ہوگی۔ کبھی مصلحت آگے بڑھنے کی ہوتی ہے اور کبھی پیچھے ہٹنے کی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ وہ دشمن پر حملہ کر رہا ہے لیکن درحقیقت وہ خود کو نشانہ بنائے ہوتا ہے۔[1]

زمانے کی ضرورت کو پہچانیں

یہ راہ جاری ہے۔ اب کون اس مشینری کو، اس تحریک اور اس شگفتہ و شاداب قافلہ کو آگے بڑھائے گا؟

(اس کا جواب ہے) مبلغ حضرات جن میں سرفہرست انبیائے الٰہی اور بندگان صالح تھے۔ بالکل ایک شمع کی طرح جو پروانوں کو متحرک کرتی رہتی ہے۔

چون شمع تازیانہ ای پروانہ ایم
ما عشاق را بہ تیغ زبان گرم می کنیم

ایک مبلغ اپنی زبان، اپنے دل، اپنی جان، اپنی روح، اپنی ہمت اور اپنی روشن نگاہ کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ ہر زمانے میں دینی مبلغ کا ہنر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس کی ضرورتوں

---

[1] انجمن رزمندگان اسلام کے جوانوں کے درمیان خطاب ۱۰:۳:۲۰۰۲

سے آگاہ کرے۔ اس لئے زمانے کی ضرورتوں کی شناخت بہت ضروری ہے۔ معیارات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ شیطان اہل دین کی جماعتوں میں ہمیشہ تحریف کا سہارا لیتا ہے اور غلط راستہ دکھاتا ہے۔ اگر اس کے لئے یہ کہنا ممکن ہوتا کہ "دین کو چھوڑ دو" تو وہ ایسا ہی کہتا ہے تاکہ شہوتوں اور مضر پروپیگنڈوں سے لوگوں کے دینی ایمان کو سلب کر لے۔ اگر اس سے یہ کام نہ ہو سکے تو دین کی چیزوں کو الٹا بنا کر پیش کرتا ہے۔ جیسے آپ ایک سڑک پر چلے جا رہے ہوں (آپ کو کسی ایسی جگہ جانا ہو جہاں کا راستہ خود آپ کو معلوم نہ ہو۔ اب سڑک پر اس راستے کی راہنمائی کے لئے کوئی راہنما پتھر لگا یا گیا ہو لیکن کوئی خائن آکر اس پتھر کا رخ دوسری طرف موڑ دیتا ہے۔ [۱]

منبر کا بیان انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہیے

واقعہ عاشورا کو صرف تاریخ میں نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ہر زمانے میں دیکھنا چاہیے، یزیدی شخصیت کے عناصر کہاں پائے جاتے ہیں پھر اس وقت اس کے مقابلے میں حسینی شخصیت کے عناصر کو میدان میں اتارنا چاہیے۔ لہٰذا معرفت اور شناخت نہایت ضروری ہے۔ انجمنوں، مجالس اور عزاداریوں کی ایک ذمہ داری اسی مسئلہ کی تبیین و توضیح ہے۔

البتہ ان کی دوسری ذمہ داری قرآن، دین اور ان اسلامی معارف کے بیان کی ذمہ داری ہے جن پر امام حسین علیہ السلام قربان ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام اور دیگر ائمہ نے اپنے آپ کو فدا کیا تاکہ یہ معارف باقی رہیں۔ ان مجالس میں یہ چیزیں بتائی جانی چاہئیں۔ آپ ان مجالس کا ان نشستوں سے موازنہ کیجئے جن میں ایک انسان دو گھنٹے تک بیٹھتا ہے لیکن آخر میں دیکھتا ہے کہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ہماری بعض مجالس بھی ایسی ہی ہیں۔ لہٰذا صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مجالس ہو بلکہ اس میں مجلس کی روح بھی ہونا چاہیے اب یہ کیسے حاصل ہو گی؟

---

[۱] محرم سے پہلے علما اور مبلغین کے درمیان خطاب ۱۲:۴:۱۹۹۹

(اس کا طریقہ یہ ہے کہ) سب سے پہلے آپ کے اہل منبر اور آپ کی مجالس کارساز ہوں۔ یعنی اس طرح کی مجالس ہوں کہ اگر ایک انسان تین سال تک آپ کی مجالس میں شرکت کرے تو تین سال بعد وہ ایک عام آدمی نہ ہو بلکہ وہ ایک آگاہ، آشنا اور معلومات رکھنے والا انسان ہو۔ منبر کو انسان ساز اور فکر ساز ہونا چاہئے۔ البتہ یہ بات مجھے منبروں پر بھی کہنی چاہئے اور کہتا بھی ہوں۔ لیکن آپ لوگوں سے کہنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آپ خطیب کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ خود نوحہ خوانی اور سینہ زنی وغیرہ میں بھی جدید حسینی مسائل، معرفت و آگاہی کی فضا ہونا چاہئے۔ شاید آپ میں بہت سے لوگوں کو یاد ہوا اور ممکن ہے بہت سے افراد کو یاد نہ ہو کہ انقلاب سے پہلے کا آخری محرم ایسا تھا کہ اس میں جو نوحے وغیرہ پڑھے جاتے تھے اور ان کی جو کیسٹیں نشر ہوتی تھیں وہ ایسے نوحے ہوتے تھے جن میں طاغوتی نظام کی مذمت پائی جاتی تھی۔ مجھے اس زمانے میں شہر بدر کر دیا گیا تھا شیراز اور رفسنجان سے میرے لئے یہ کیسٹیں لائی گئیں اور میں نے سنا۔ آپ ان کیسٹوں کو سنیں۔ عزاداری اس طرح کی ہونی چاہئے۔ ان دنوں مجالس میں برسر اقتدار طاغوتی نظام کی بات ضرور ہوتی تھی۔ آج الحمد للہ طاغوتی نظام نہیں ہے۔ لیکن بہت سی دوسری باتیں اور موضوعات ہیں جنہیں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ تمام مسائل جن کی طرف آج اسلامی جمہوریہ توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے دین کے بنیادی مسائل ہیں اور سب کے سب حسینی بھی ہیں مثلاً عدالت، برائیوں سے مقابلہ، عالمی استکبار سے جنگ، بے انصافی سے مقابلہ صالح افراد انتخاب اور ان کو محور بنانے کا مسئلہ وغیرہ یہ سب مسائل ہمارے ماتمی دستوں میں آنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب نوحہ، مصائب، گریہ اور نالہ وشیون سے سازگاری رکھتے ہیں؟

جی ہاں ! اس لئے کہ یہ تمام چیزیں واقعہ کربلا کے عناصر ہیں۔ یہ ایک عجیب اور چند عناصر کی ترکیب ہے۔ [1]

---

[1] محرم سے پہلے علما اور مبلغین کے درمیان خطاب ۱۲:۴:۱۹۹۹

اس تبلیغ کا مقصد انسان سازی ہے

ہماری تبلیغ میں ان تینوں عناصر یعنی عطوفت، منطق اور حماسہ کا اہم رول ہونا چاہیئے۔ صرف جذباتی پہلو کو اجاگر اور عقل و منطق کے پہلو کو نظر کرنا کربلا کے واقعہ میں پوشیدہ ہے اس تحریک کو محدود کرنے کے مترادف ہے اور اسی طرح حماسہ کے پہلو کو نظر انداز کرنا بھی اس عظیم واقعہ کو چھوٹا کرنے اور ایک قیمتی گوہر کو توڑنے کے مترادف ہے۔ تمام خطبا مقررین اور شعرا کو اس نکتہ کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

تبلیغ کا کیا مطلب ہے؟ تبلیغ یعنی پہنچانا۔

اس لئے ضروری ہے کہ پہنچایا جائے۔

کہاں پہنچایا جائے؟

کان تک پہنچایا جائے؟

جی نہیں! دل تک پہنچایا جائے!

ہماری بعض تبلیغات کانوں تک بھی نہیں پہنچتیں۔ کان بھی انہیں درک نہیں کر پاتے۔ جب کان نے درک کر لیا تو وہ ذہن کے حوالے کرتا ہے۔ صرف یہیں تک محدود نہ رہا جائے بلکہ یہ پیغام دل تک پہنچے، اس میں راسخ ہو جائے اور سامع کے اندر ایک انقلاب آ جائے۔ یہ ہے تبلیغ کا مقصد۔

ہم اس لئے تبلیغ کرتے ہیں تا کہ جس موضوع کو بیان کر رہے ہیں وہ مخاطب کے دل میں اتر جائے۔

اور وہ موضوع کیا ہو؟

ہر وہ چیز جو امام عالی مقام کی جان، عزت و ناموس اور اہل حرم کی نظر میں ایک قدر کے عنوان سے پہچانا گیا۔ اگر چہ تمام انبیائے الٰہی، اولیائے خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات

گرامی سب نے یہی کیا لیکن اس کا مظہر کامل حسین ابن علی علیہ السلام کی شخصیت ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ دینی اقدار، دینی اخلاق اور ان تمام چیزوں کی تبلیغ کریں جو دین کی بنیاد پر انسانی شخصیت میں اثر انداز ہوتی ہیں تا کہ ہمارا مخاطب اسی دینی شخصیت میں بدل جائے۔ آپ قرآن کریم کی آیات کو دیکھیں (تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ) انسان سازی ہی اس تبلیغ کا مقصد ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے۔[1]

برا دفاع، خطرناک ہے

مخاطب کے دل و دماغ اور فکر و روح کو تعمیر، آباد اور سیراب کرنا چاہئے۔ البتہ اس کے لئے ایک باطنی سرچشمہ کی ضرورت ہے۔ ہمارے اندر کچھ ہونا چاہئے تا کہ مخاطب پر اثر انداز ہو ورنہ یہ کام ناممکن ہے۔ اور وہ باطنی سرچشمہ ہے عقل و منطق۔ ہمارے پاس سالم عقل و منطق ہونی چاہئے تا کہ کوئی بے معنی بات نہ کہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ناقص اور برے دفاع کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے بالکل صحیح کہتے ہیں۔

جب دین کا دفاع کمزور اور غیر محکم ہوگا تو اس کا اثر خود دین پر حملہ کرنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہمیں اس سے خدا کی پناہ مانگنا چاہئے۔ ہم جو کچھ بھی تبلیغ کے نام پر کہہ رہے ہیں اس میں ہرگز کوئی عبث، بے معنی اور بچکانہ بات نہیں ہونی چاہئے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں کوئی ایسی حکمت یا اخلاقی بات ہوتی ہے جس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ یہاں سند کی ضرورت نہیں ہے اسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کبھی ایک ایسی بات ہوتی ہے جو مخاطب کے فہم و تصور سے بہت بعید ہوتی ہے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے کیونکہ یہ بات اسے اصل مطلب سے بھی دور کر دے گی اور اس کے دل و دماغ میں دین اور اس مبلغ دین کی کوئی

---

[1] انجمن رزمندگان اسلام کے جوانوں کے درمیان خطاب ۹:۵:۲۰۰۱

اہمیت نہیں رہ جائے گی اور وہ یہ تصور کرے گا کہ اس کے پاس عقل و منطق نام کی کوئی چیز نہیں ہے جب کہ ہمارے کام کی بنیاد منطق ہے۔ لہٰذا منطق اس تبلیغ کا اصل عنصر ہے۔ [۱]

بیان ہنرمندانہ ہونا چاہئے

میری نظر میں منبر کی بہت اہمیت ہے۔ آج انٹرنیٹ، سیٹلائٹ، ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع ابلاغ بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں سے کوئی منبر نہیں ہے۔ منبر یعنی آمنے سامنے ہوکر گفتگو کرنا یہ اپنا ایک اہم اور واضح اثر رکھتا ہے جو کسی بھی دوسری چیز میں نہیں ہے۔ اس کی حفاظت اور بقا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ بہت اہم چیز ہے۔ البتہ بیان ہنرمندانہ ہونا چاہئے تا کہ اثر انداز ہو۔ امام سجاد علیہ السلام ایک جگہ خداوند متعال سے فرماتے ہیں:

يَا إِلٰهِي بِمَنْ خَوْفُهُ مِنْكَ أَكْثَرُ مِنْ طَمَعِهِ فِيكَ وَبِمَنْ يَأْسُهُ مِنَ النَّجَاةِ أَوْ كَدُّ مِنْ رَجَائِهِ لِلْخَلَاصِ لَا أَنْ يَكُونَ يَأْسُهُ قُنُوطاً. [۲]

میرے اندر خوف امید سے زیادہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں مایوس ہوں یہ ایک عام دستور العمل ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔ امید کے ساتھ دل میں خوف بھی ہونا چاہئے بلکہ خوف زیادہ ہونا چاہئے۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم صرف آیات رحمت کو پڑھیں (جب کہ ان آیات بشارت میں سے بہت سی مومنین کے ایک خاص گروہ کے لئے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے) اور لوگوں کو غفلت کا شکار بنائیں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ لوگ اس خیال خام میں پڑ جائیں کہ وہ معنویت میں غرق ہیں جب کہ وہ واجبات دین اور ضروریات دین سے غافل ہوں۔ قرآن کریم میں بشارت

---

[۱] محرم سے پہلے درس خارج کے اختتام میں چند کلمات ۲۰۰۱:۵:۹
[۲] المصباح للکفعمی (جنۃ الامان الواقیۃ) /۳۸۸

مخصوص ہے مومنین سے لیکن انذار یعنی ڈرانا سب کے لئے ہے۔ انذار کا تعلق مومنین سے بھی ہے اور کافرین سے بھی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رہے ہیں، ایک شخص عرض کرتا ہے: اے اللہ کے نبی خدا فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. [۱]

تا کہ اللہ ان (لوگوں کی نظر میں) آپؐ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔

پھر آپ رو کیوں رہے ہیں؟

جواب دیا:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْداً شَكُوراً [۲]

یعنی اگر میں اس مغفرت کا شکر ادا نہ کروں تو مغفرت کی بنیاد کمزور ہو جائے گی۔

بہرحال انذار ہمارے دل و سماعتوں پر حاکم ہونا چاہئے۔ راستہ بہت دشوار ہے، انسان کو چاہئے کہ خود کو یہ راستہ طے کرنے اور منزل تک پہنچنے کے لئے تیار کرے۔ [۳]

قمہ زنی ہی کیوں؟

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات عزاداری کے سلسلے میں بے بنیاد، غلط اور خرافاتی باتیں کہی جاتی ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بات غلط نہ بھی ہو لیکن صحیح بات بھی اگر غیر مستند اور بے بنیاد طور پر کہی جائے یا ایسی بات کہی جائے جو لوگوں کے ایمان کو کمزور کرتی ہو اور مخاطبین کی سمجھ سے باہر ہو تو وہ بھی نقصان دہ ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اگر کوئی عالم یا کوئی

---

[۱] سورۂ فتح: ۲

[۲] مصباح الشریعۃ/ 170 / الباب الثمانون فی الجهاد والریاضۃ

[۳] محرم سے پہلے علما اور مبلغین کے درمیان خطاب ۲۵:۱:۲۰۰۶

ذمہ دار شخصیت ایک حق بات کہے تو یہ کہہ کر ایک تحریک کھڑی کی جائے کہ اس بات سے عزاداری پر حرف آرہا ہے (اور عزاداری خطرے میں ہے)۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ قمہ زنی کے معاملے میں ایسا ہی ہوا۔ ہماری نظر میں قمہ زنی یقینی طور پر ایک خلاف شریعت عمل تھا اور ہے۔ ہم اس کا اعلان کر چکے ہیں اور علما و بزرگان نے بھی اس کی حمایت کی ہے لیکن بعد میں ہم نے دیکھا کہ ملک کے بعض حصوں میں اس کا الٹا کیا جارہا ہے۔

اگر قمہ زنی میں کوئی حرج نہ بھی ہو اور حرام نہ بھی ہو تب بھی واجب تو نہیں ہے۔ پھر آخر ان چیزوں پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے جن میں سے بعض خرافات ہیں؟ اور وہ کام بھی جو محض خرافات نہیں ہیں وہ بھی اس ٹیکنالوجی کی دنیا میں، آج کے رائج تمدن اور ثقافت میں ہمارے گھروں، جوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں موجود عقلانیت پر الٹا اثر رکھتے ہیں۔ یہ شریعت کے واضحات میں سے نہیں ہیں کہ کہا جائے چاہے دنیا کو اچھا لگے یا برا ہم تو کہیں گے۔ ان چیزوں میں بہر حال شک و تردید پائی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] محرم سے پہلے علما اور مبلغین کے درمیان خطاب ۲۰۰۰:۴:۴

پیغام محرم کے لئے نقصاندہ چیزیں

محرم سے نقصاندہ باتوں اور چیزوں کو بھی ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض چیزیں ہیں جو صرف پیرایہ ہیں یعنی نہ نقصان دہ ہیں اور نہ جھوٹ۔ جو بھی ایک ہنرمندانہ انداز میں کسی واقعہ کو بیان کرنا چاہتا ہے وہ فقط اس واقعہ کے متن کو نہیں دہراتا۔ جب آپ سنتے ہیں کہ کسی شخص نے خاص حالات میں یہ باتیں کہی ہیں تو آپ ان باتوں کے متکلم کے احساسات وجذبات کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ ایک طبیعی چیز ہے۔ جب ایک شخص ایک صحرا یا بیابان میں ایک لشکر کے سامنے کوئی بات کہتا ہے (البتہ اس شرط کے ساتھ کہ بات کس طرح کی ہے دعوت ہے، التماس، دھمکی ہے یا......) تو قاعدہ یہ ہے کہ اس متکلم کے ذہن وروح میں کہ خاص کیفیات ہوتی ہیں جو ایک عاقل سامع کے لئے قابل ادراک اور ایک مقرر کے لئے قابل بیان ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کے بیان میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

جب ہم چاہیں کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے حالات بیان کریں (البتہ جتنا معتبر کتابوں میں ملتا ہے) تو یقیناً اس بیان کی کچھ خصوصیات اور کیفیات ہوں گی مثلاً اگر امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کچھ کہا تو آپ اس کو اس انداز میں بیان کر سکتے ہیں: رات کی تاریکی میں یا اس رات کی غمناک اور المناک تاریکی میں یا اس طرح کی دوسری تعبیرات۔

یہ پیرائے یا طریقے نہ مضر ہیں اور نہ ہی جھوٹ ہیں۔ لیکن بعض پیرائے جھوٹ ہوتے ہیں اور بعض باتیں جو نقل کی جاتی ہیں خلاف حقیقت ہوتی ہیں یہاں تک کہ بعض وہ چیزیں جو

کتابوں میں لکھی گئی ہیں وہ حسینی تحریک اور قیام کی شان سے مناسبت نہیں رکھتی ہیں۔ اب پہچاننے اور الگ کرنے کی ضرورت ہے۔[۱]

مرثیہ یعنی عاشور کی یاد کو زندہ رکھنا

جب سے امام حسین علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی اسی وقت سے امام علیہ السلام کی عزاداری اور مرثیہ خوانی شروع ہوگئی۔ امام علیہ السلام کی سب سے پہلی مرثیہ خوان خود جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا تھیں۔ امام عالی مقام علیہ السلام کے سرہانے آئیں اور فرمایا:

بِأَبِي الْمَهْمُومُ حَتَّى قَضَى

میرا باپ آپ پر فدا ہو کہ مظلوم اس دنیا سے گئے ہیں

بِأَبِي الْعَطْشَانُ حَتَّى مَضَى[۲]

میرا باپ آپ جیسے شہید پر قربان کہ تشنہ لب شہید ہوئے۔

یہ تھی امام حسین علیہ السلام پر مرثیہ جس کی بنیاد جو جناب زینب سلام اللہ علیہا نے ڈالی۔

یہ بات یاد رہے کہ امام حسین علیہ السلام پر مرثیہ یعنی ان کی یاد کو زندہ رکھنا، یعنی اس آگ کو شعلہ ور رکھنا جو امام حسین علیہ السلام نے روشن کی تاکہ ظلم وستم اور متکبر ومستکبر کو اس میں جلا ڈالیں۔ اب اس آگ کو جلائے رکھنا ہماری ذمہ داری ہے جس کا طریقہ عزاداری، مرثیہ خوانی اور تعزیہ داری ہے۔ البتہ اس تعزیہ داری کے کچھ شرائط ہیں۔ اگر ان شرائط پر عمل ہوا تب تو آپ نے تعزیہ داری کی ہے اور اگر ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نہ صرف تعزیہ داری نہ کی بلکہ خطا بھی کی ہو۔

---

[۱] مجلس خبرگان کے ممبران کے درمیان گفتگو ۱۲:۴:۱۹۹۹

[۲] اللھوف علی قتلی الطفوف/ترجمہ فھری/النص/۱۳۴

پہلی شرط

سب سے پہلی شرط مطالب کا ہونا ہے۔ ہم صرف جذبات کی بنیاد پر تو گریہ نہیں کرنا چاہتے۔ ایک آدمی اپنے گلے سے غمناک آواز نکالے اور ہم رونے لگیں۔ ممکن ہے چار آدمی غزل سن کے بھی رو دیں صرف اپنے لطیف احساسات کی بنیاد پر، لیکن ہم لطیف احساسات کی بنیاد پر نہیں رونا چاہتے بلکہ امام حسین علیہ السلام پر رونے کے لئے ضروری ہے کہ گریہ ان کے مصائب کے تذکرہ اور یاد کے ساتھ ہو۔ لہٰذا جو کچھ بھی کہا جائے، جو کچھ بھی پڑھا جائے جو کچھ بھی گنگنایا جائے وہ مفید مطالب پر مشتمل ہو۔ یہ پہلی شرط ہے۔

محتشم کے شعروں کو دیکھئے اس میں انقلاب، اسلام اور مقابلہ کی باتیں ہیں لیکن اس نے واقعہ عاشورا کو بہت ہنرمندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اگر شعر اس طرح کے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ ایسے اشعار کہے جائیں تا کہ واقعہ کربلا کی عظمت اجاگر ہو۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ مطالب گمراہ کن نہ ہوں۔ بعض باتیں، بعض اشعار اور بعض بیانات واقعاً گمراہ کن ہوتے ہیں۔ یعنی بعض باتیں ایسی ہیں جو سراسر جھوٹ ہیں۔ غیر واقعی اور غلط واقعات جو کسی بھی معتبر کتاب میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ مثلاً ایک شخص نے اپنی طرف سے کچھ باتیں لکھ دیں اب دوسرے بھی پڑھنے لگے اس طرح کی باتیں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ سید ابن طاؤس کی لہوف، شیخ محمد عباس قمی کی نفس المہموم خود امام حسین علیہ السلام کے خطبات اور اقوال ان سب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اور وہ باتیں جو گمراہ کن ہیں، نہیں پڑھی جانا چاہئیں۔

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ عزاداری حرام کام کے ساتھ مخلوط نہ ہو۔ ایک ایسی طرز اور ایسا ترنم جسے انسان دور سے سنتا ہے لیکن سمجھ نہیں پاتا کہ کیا پڑھا جارہا ہے۔صرف اتنا سمجھتا ہے کہ ایک غیر شرعی اور غیر اخلاقی دھن ہے ایسی دھن کا استعمال عزاداری میں کیوں کیا جائے؟ وہ ترنم اور دھن جو ایک فاسد گلوکار کلب میں جا کر لہو ولعب والے اشعار کے ساتھ استعمال کرتا ہے تا کہ بزرگوں اور جوانوں کو گمراہ کرے اب ہم اسی دھن کو استعمال کریں اور صرف اشعار اور مطالب بدل دیں مثلاً امام حسین علیہ السلام، قرآن، خدا، شہادت، خون، نیزہ، خنجر اور اس طرح کے الفاظ کا استعمال کریں یہ بہت گھٹیا اور برا کام ہے۔ [1]

بہترین اور خوبصورت اشعار

ایسا کام ہونا چاہیے کہ جہاں چند انقلابی اور حزب اللّٰہی جوانوں کا گروہ عزاداری بپا کرتا ہے ان کے درمیان پڑھے جانے والے اشعار سراپا معرفت ہوں۔ ابھی مجھے کہیں نظر نہیں آرہا ہے کہ اشعار سراپا درس اور معرفت ہوں اس کے لئے کس سے مدد لی جائے؟ بہترین شاعر، بہترین مفکر اور بہترین اشعار سے استفادہ کیجئے نہ کہ عوامانہ اشعار سے۔

لیکن کس تجویز سے یہ کام کیا جائے؟ ایک شعر شناس کی تجویز سے نہ کہ انجمن کے سربراہ کی تجویز سے۔ انجمن کا سربراہ ممکن ہے سرے سے شعر ہی سمجھ نہ پاتا ہو۔ ہر کام کا ایک ماہر ہوتا ہے۔ ایک شعر شناس، ایک دینی اور مذہبی ماہر کی مدد سے جدید، بہترین بلند واعلیٰ معارف ان حزب اللّٰہی جوانوں تک منتقل کیجئے۔

---

[1] محرم سے پہلے تہران کے ائمہ جماعت وواعظین سے خطاب ۴:۴:۲۰۰۰

آپ کا دس منٹ یا بیس منٹ کا اجلاس بھی معارف اسلام سے خالی نہیں جانا چاہئے۔ مرثیہ خوانی وغیرہ میں ابتدا معارف اور نصیحت سے ہونی چاہیے وہ بھی خوبصورت اور بہترین اشعار میں۔

قدیم زمانے سے یہی رواج تھا لیکن اب کم ہو گیا ہے۔ پہلے ایسا ہوتا تھا کہ مداح اہل بیت آغاز میں دس، پندرہ، بیس شعر میں فقط نصیحت اور اخلاق کی باتیں کرتا تھا لوگ سمجھتے بھی تھے اور اثر بھی ہوتا تھا۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شاعر کے چند اشعار کا اثر ایک خطیب کی ایک گھنٹے کی تقریر سے زیادہ ہوتا ہے البتہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ اگر بہترین انداز میں کہا اور پڑھا جائے تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ [1]

---

[1] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۲۷:۷:۲۰۰۵

مداحی اور ذاکری ایک بافضیلت منصب

میں بارہا یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ مداحی اور ذاکری ایک با فضیلت اور با شرف مقام و مرتبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔آج بھی بحمد للہ عوام بالخصوص جوانوں کا رجحان مداح حضرات کی طرف بہت اچھا ہے۔آپ ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ لوگ ان افراد کا استقبال کرتے ہیں۔ان سے عشق ولگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے لئے جمع ہوتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں انہیں پیسے دیتے ہیں یہ ایک منصب ہے۔منصب جس قدر حساس ہو ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔اگر ہم کوئی غلطی کریں تو ہماری غلطی عام لوگوں جیسی غلطی نہیں ہے بلکہ بہت بڑی اور سنگین غلطی ہے۔

اگر ہم نے خدانخواستہ کسی کو ضلالت و گمراہی میں ڈالا تو وہ عام افراد کے ایسے ہی عمل سے فرق رکھتا ہے۔ایک مداح کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا کہہ پڑھ رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ بہترین آواز، دل نشین ترنم، غنیمت موقع جدید برقی وسائل اور پر جوش استقبال، آج بھی ہمارے جوانوں نے معاشرے اور ملک کو اپنے خالص دلوں سے پاک وصاف بنا رکھا ہے۔اس ملک کے اس قدر جوان، آپ سب مداحوں کے شیدائی ہیں۔اب آپ لوگوں کو کیا دینا چاہتے ہیں۔ میں مختلف مواقع پر آپ کے طرز بیان اور مطالب پر جو زور دیتا ہوں اس کی وجہ یہی حساسیت ہے جو آپ کی نسبت پائی جاتی ہے۔[1]

---

[1] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۲۷/ ۷/ ۲۰۰۵

مداحی کا ہنر

جب شعر کی زبان سے لوگوں سے گفتگو ہوتی ہے، اگر چہ شعر پیچیدہ ہی کیوں نہ ہو اور جب ایک مداح اپنے ہنر سے شعر کے ایک ایک لفظ کو سامع کے ذہن تک پہنچاتا ہے تو اس کا دل میں اثر ہوتا ہے۔ بعض شعرا نے ماشاء اللہ ائمہ کی عبادت خضوع، جہاد، تضرع، انفاق اور جہاد کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آج بھی بہت سے شعروں میں دیکھنے کو ملا۔ لہٰذا شعر کو بہترین ہنر کے ساتھ پیش کیجئے کیونکہ یہ اثر انداز ہوتا ہے ایک اچھا اور ہنرمندانہ شعر کی خاصیت عام ہنر کی طرح ہوتی ہے۔ عام ہنر کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ کہنے والا بہت سی جگہ پر متوجہ ہوئے بغیر سننے والے کی اس کی طرف توجہ ہوئے بغیر اثر انداز ہوتا ہے۔ شعر، آرٹ، دلنشین آواز، اچھا ترنم اور ہنر کی دوسری اقسام غیر شعوری طور پر مخاطب پر اثر انداز ہوتی ہیں یعنی بغیر اس کے کہ مخاطب متوجہ ہو اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ یہ تاثیر کی سب سے اچھی قسم ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ خداوند متعال نے سب سے بلند معارف کو بیان کرنے کے لئے سب سے زیادہ فصیح کلام کا انتخاب کیا یعنی قرآن مجید۔ خدائے دانا و توانا ان معارف اور قرآن کو معمولی پیرائے میں بھی بیان کرسکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے اسے سب سے زیادہ فصیح، بلیغ، خوبصورت اور ہنرمندانہ انداز میں بیان کیا جس کے لئے خود قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے کوئی اس ہنر اور اس قالب کا کلام نہیں لاسکتا۔ اگر چہ مطلب واضح اور آشکار ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبوں کو دیکھئے۔ حسن و جمال کا ایک مرقع ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام معمولی انداز میں بھی اسے بیان کر سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کرتے بلکہ ہنر کا استعمال کرتے ہیں۔

وبعد فنحن امراء الکلام

خود ان ہستیوں کا کہنا تھا کہ ہم بادشاہ سخن ہیں اور یقیناً ایسا ہی تھا یہ سب کے سب

بادشاہان سخن تھے۔[1]

صرف چشم وابرو

ایک اور چیز جس کی حقیر کو اطلاع ملی ہے وہ بعض مداحوں کی طرف سے کی جانے والی بے جا مدح وثنا ہے جو بسا اوقات مفید ہونے کے بجائے مضر بھی ہوتی ہے۔فرض کریں جناب ابو الفضل العباس سے متعلق گفتگو ہورہی ہے اب مداح ان کی چشم وابرو کی تعریف کرنا شروع کرے مثلاً آپ کی آنکھوں پر قربان جاؤں۔کیا دنیا میں خوبصورت آنکھوں کی کمی ہے؟ کیا آپ نے جناب عباسؑ کو دیکھا ہے اور کیا آپ جانتے ہیں کہ ان کی آنکھیں کیسی تھیں؟ یہ سب چیزیں تشیع کے بلند وعالی معارف کی سطح کو نیچے لے آتی ہیں۔تشیع کے معارف بہت کمال وعروج پر ہے۔

ہمارے شیعہ معارف ایسے ہیں کہ جو ہینری کاربن جیسے مغرب میں پرورش یافتہ اور مغربی فلسفہ اور افکار سے آشنا فلسفی کو علامہ طباطبائی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔وہ ان معارف کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور پھر وہ یورپ میں شیعہ معارف کا مروج بن جاتا ہے۔

شیعہ تعلیمات کو پوری دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ایک عام اور درمیانی سطح سے لیکر بڑے بڑے فلاسفہ کی اعلیٰ سطح تک۔ہمیں ان تعلیمات کے ساتھ مذاق نہیں کرنا چاہئے۔ جناب عباس علیہ السلام کی فضیلت ان کے جہاد، ان کی فداکاری ان کے اخلاص اور اپنے امام کے سلسلے میں ان کی معرفت میں ہے۔ان کی فضیلت ان کے صبر واستقامت میں ہے۔پیاس کی شدت میں لب دریا ہونے کے باوجود پانی کو منہ نہ لگانے میں ہے جب کہ شرعاً اور عرفاً ان کے لئے پابندی نہیں شہدائے کربلا کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے سخت ترین حالات میں، جتنے سخت تصور

---

[1] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۲۷/۷/۲۰۰۵

کئے جا سکتے ہوں حریم حق کا دفاع کیا۔

یہاں انسان حاضر ہے کہ ایک عظیم جنگ میں (جہاں وہ بظاہر مغلوب) جائے اور ممکن ہے مارا بھی جائے، جو کہ بہت بڑا مقام ہے، اور یہ سب کے بس کی بات نہیں ہے خدا کی راہ میں جہاد کرنے اور شہید ہونے والے بہت کم ہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی بہت سے شہدا نمایاں اور عظیم تھے۔لیکن ان حالات میں شہید جو میدان کربلا کے شہید تھے، غربت کا وہ عالم، وہ سختیاں، وہ پیاس کی شدت اور مصائب و آزار کی وہ آماجگاہ، ان میں اور آج میں بہت فرق ہے۔

جناب عباس، جناب حبیب ابن مظاہر اور جناب جون علیہم السلام جیسے افراد کی فضیلت ان سب چیزوں میں ہے۔ نہ کہ ان کے رشد قد اور طاقتور بازوؤں میں۔ رشید قد کے مالک دنیا میں بہت ہیں، شڈول اور مضبوط جسم رکھنے والے ورزشکار افراد بہت ہیں۔ معنوی معیاروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ کبھی انہی تعبیروں اور تعریفوں پر زور دیا جاتا ہے۔ ایک شاعر اپنی تیس چالیس اشعار کی ایک نظم میں جناب عباس علیہ السلام کے حسن و جمال کا بھی تذکرہ کرتا ہے یہ الگ بات ہے اس سلسلے میں بھی ہمیں بہت سخت اور خشک مزاج نہیں ہونا چاہئے لیکن ہم صرف ان کی کمان جیسی بھوؤں، قلمی ناک، باخمار آنکھوں جیسی باتیں کرنے لگیں تو یہ ان کی مدح و ثنا نہیں ہے بلکہ بسا اوقات یہ نقصان دہ بھی ہے۔ [1]

میوزک؟

عزاداری پیغام کی حامل ہونی چاہئے۔ عشق و محبت اور لگاؤ کی حامل ہونی چاہئے۔ جتنا ممکن ہو سکے نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی، مصائب میں واقعہ کربلا کے مطالب بیان کئے جائیں اور ان واقعات کو اجاگر کیا جائے، البتہ بعض جگہ ان چیزوں کی طرف بے توجہی یا کم توجہی برتی جا رہی

---

[1] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۲۷/۷/۲۰۰۵

ہے۔ جیسا کہ سننے میں آیا ہے کہ بعض انجمنوں میں سینہ زنی مجالس میں اب نوحے نہیں پڑھے جاتے بلکہ ایک ساز بجایا جاتا ہے جس کی آواز پر سینہ زنی ہوتی ہے یہ ایک غلط کام ہے۔ آواز، دھن اور میوزک کوئی رول نہیں رکھتے۔ (یہ سب اس وقت ایک رول ادا کر سکتے ہیں) جب عاشور کے حقائق کو منعکس اور بیان کر سکیں۔

عاشور کے حقائق لوگوں کے لئے بیان ہونے چاہئیں۔ اس کو اہمیت دیجئے۔ ورنہ صرف کچھ بے معنی اشعار پڑھنا جس میں کربلا اور عاشور کا کوئی پیغام نہ ہو یا سرے سے کوئی شعر نہ پڑھنا بلکہ صرف ایک میوزک کے ساز پر ماتم کرنا ایک بے بنیاد اور غلط کام ہے۔ البتہ ہر طرح کی میوزک اور موسیقی کے ہر آلے کا استعمال بھی جائز اور حلال نہیں ہے۔

موسیقی کے ایسے بہت سے وسائل ہیں جن میں اشکال پایا جاتا ہے۔ اب وہ کہیں اور بھی بجائے جائیں اور ماتمی دستوں میں بھی بجائے جائیں تو جائز نہیں ہوں گے۔ اس لئے جو چیز زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ ہے مواد اور مطالب۔ البتہ مطالب کو ہنر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اچھی دھن، اچھا شعر، اچھا بیان، اچھی آواز اور اسی طرح جائز اور حلال میوزک یہ سب وہی ہنر ہیں جن کے ذریعہ مطالب کو ذہنوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ [1]

مناقب اہل بیتؑ

نوحوں کے اشعار جدید مضامین کے حامل ہونے چاہئیں۔ کبھی نوحے میں ایسے اشعار ہوتے ہیں جو تکراری ہوتے ہیں مثلاً ایک انسان کسی امام کو مخاطب کر کے کہے: مجھے آپ سے محبت ہے، البتہ اہل بیت سے محبت کا اظہار بہت اچھی چیز ہے لیکن اگر یہی چیز بالکل ایک انداز میں دس بار، سو بار بیان کی جائے تو یہ تکراری چیز ہے اور اس میں کوئی پیغام نہیں ہے۔ دوسری بات

---

[1] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خطاب ۲۷:۷:۲۰۰۵

یہ کہ اشعار کے مضامین، بامعنی اور مفید ہوں۔ یعنی آپ دیکھیں کہ آج ہمارے معاشرے، ہماری جوان نسل اور ہمارے مخاطبین کو کن معارف کی ضرورت ہے، ان معارف اور تعلیمات کو شعر اور نوحہ کی صورت میں بیان کیا جائے اور یہ ممکن ہے۔ یہ تصور نہ کیا جائے کہ یہ کام ناممکن ہے۔ بہت سے شعرا ہیں جنہوں نے یہ کام کیا، یا کر سکتے ہیں۔ تمام اسلامی تعلیمات کو شعر کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ ان تعلیمات میں سے ایک اہل بیت سے محبت کا احساس ہے۔ انسان مناقب اہل بیت بیان کرے تا کہ دل میں ان کی محبت پیدا کرے یہ بہت اچھی چیز ہے۔

ایک اور تعلیم اہل بیت کے بلند مقام و مرتبہ کو بیان کرنا ہے۔ البتہ ہماری رسائی ان تک نہیں ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے مقام و رتبہ کو اشعار میں بیان کیا جائے۔ ان کا راستہ، ان کا مقصد، ان کا جہاد اور ان کی وہ توحید جس کی وہ تبلیغ کرنا چاہتے تھے انسان کی زندگی کو صحیح رخ دیتی ہے۔[1]

من گھڑت مصائب

بے معنی باتوں اور ظاہری عشق و عاشقی سے پرہیز کیجئے جو اندر سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ حسینی اور اسلامی مفاہیم، صبر، جہاد، تقویٰ، پرہیزگاری اور آداب زندگی کو اپنے اشعار میں بیان کیجئے اور پڑھئے۔ جہاں پر مصائب کی بات ہو صحیح مصیبت کا تذکرہ کیا جائے نہ کہ من گھڑت مصائب۔

بعض خطبا، شعرا اور ذاکرین ماحول اور مجمع کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ رقت طاری کرنے کے لئے جو ذہن میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ایک واقعہ پیش آیا ہے اب اس واقعہ کو صحیح بیان ہونا چاہئے۔ غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے۔ فضائل یا مصائب شروع

---

[1] گیلان اسلامی جمہوریہ پارٹی کے ممبران سے ایک خطاب ۴:۱۰:۱۹۸۴

کرنے سے پہلے کچھ اخلاقیات بھی بیان کئے جائیں۔اخلاق اورمعرفت کے حامل اشعار پڑھے جائیں البتہ اچھے اور بامعنی شعر نہ کہ بے معنی اور بے ربط اشعار۔بعض الحان اور دھنیں جنہیں پاپ کے نام سے جانا جاتا ہے؟ کیوں؟ میں اس لہجہ کا مخالف نہیں ہوں جو نیا ہولیکن تقلید کیوں؟ جس انسان کے اندر خود ایجاد کی صلاحیت پائی جاتی ہے وہ ایک بے سر و پا گلوکار مثلاً ایک اسپینی یا آرجنٹائنی کی تقلید کرے کس لئے؟ اور وہ بھی اتنے اہم اور اعلیٰ معارف میں انسان ایک مہمل اور بے کار چیز کے ذریعہ اپنے سننے والوں کو اپنے جوانوں کو منحرف کرے یہ صحیح نہیں ہے۔

مضامین مفکرانہ، عمیق، بامعرفت اور پر جوش ہونا چاہئیں یعنی احساسات اس میں ضرور ہونا چاہئیں تا کہ وہ لطیف اور شیریں ہو جائیں۔[1]

لوگوں کو آزار و اذیت پہنچانا حرام ہے

عزاداران امام مظلوم سے میری ایک نصیحت یہ ہے کہ لوگوں کی ناراضگی اور ان کی اذیت کا سبب نہ بنیں۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ راتوں میں یہ لاؤڈ اسپیکر لوگوں کی اذیت کا سبب نہیں ہونے چاہئیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم امام حسین علیہ السلام کی عزاداری منا رہے ہیں کسی کو نیند نہیں آتی تو نہ آئے۔ یہ بات کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

بعض لوگ مائک پر جا کر سینہ زنی کرتے ہیں آخر کس لئے؟

یا اگر نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی یا تقریر کرنا ہے تو سامعین کے درمیان ہونا چاہئے۔

سڑکوں پر، چھتوں پر بازاروں اور محلے میں تو کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ اس مقرر کو سننے والے افراد مجلس میں بیٹھے ہوتے ہیں اگر مائک اور لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت ہے تو وہاں رکھا جائے۔

---

[1] ایام فاطمیہ کی مناسبت سے ایک خطاب ۳:۷:۲۰۰۵

مجلس سے باہر آدھی رات کو گھنٹوں لوگوں کو اذیت پہنچانا، کسی بیمار کی نیند خراب کرنا اس کا کسی بھی اسلامی اور حسینی منطق سے سروکار نہیں ہے۔

اگر آپ نے اس وقت جو لوگوں کے سونے اور آرام کرنے کا وقت ہے (دن کے وقت اور اول شب کا وقت میری مراد نہیں ہے) اپنے نوحے سے کسی کو اذیت پہنچائی تو آپ نے حرام اور خلاف شریعت کام انجام دیا ہے۔ [۱]

اگر آپ کو باہر اسپیکر لگانا ہے تو محلے والوں کا راضی ہونا ضروری ہے اگر وہ راضی نہ ہوں تو اسپیکر نہ لگایا جائے خاص کر رات میں دیر تک اس بات کی اجازت نہیں ہونا چاہئے اور حکومت کے ذمہ دار افراد کو اس کی روک تھام بھی کرنا چاہئے۔

عزیزو! توجہ کریں کہ حسین ابن علی علیہ السلام خدا کے لئے قیام کرنے کا ایک مظہر تھے، مظہر تقویٰ تھے اور آپ جو بھی کر رہے ہوں وہ بھی مظہر تقویٰ ہونا چاہئے۔

میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام میں تقوائے الٰہی کا خیال رکھے کیونکہ یہ عمل خود تقویٰ کا مصداق کامل ہے عزاداری کے کاموں اور اس کی خصوصیات میں خدا نخواستہ تقویٰ سے دور نہ ہوئیے۔ [۲]

مثبت شبیہ خوانی

بعض ایسے کام جن میں حقیقت کا رنگ و بو نہیں اور وہ کوئی معنی و مفہوم نہیں رکھتے، ہماری نظر میں ایسے کاموں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ان میں سے ایک کام بعض شبیہ خوانیاں ہیں۔ ہم شبیہ خوانی کے مخالف نہیں ہیں لیکن شبیہ خوانی، مثبت، صحیح اور حقیقت کے مطابق

---

[۱] انجمن رزمندگان اسلام کے جوانوں کے درمیان خطاب ۲۵:۸:۲۰۰۵

[۲] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۲۸:۸:۱۹۸۷

ہونی چاہئے۔ بعض ضعیف روایات کی شبیہ خوانی سے کیا حاصل؟!

مثلاً شیر اور جناب فضہؑ کا قصہ جس کی بنیاد اور اصل بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اب بعض لوگ آئیں اور اس قصہ کی شبیہ خوانی کریں ایک شیر بنائیں اور شروع ہو جائیں۔ وہ اس شیر سے کیا دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ واقعہ عاشورا کے کس پہلو کو اجاگر کرتا ہے؟

یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جنہیں ٹیلی ویژن بھی کبھی کبھی دکھاتا ہے۔ شبیہ خوانی ایک اچھی چیز ہے لیکن اسی وقت جب واقعیت اور حقیقت سے ہم آہنگ ہو۔

شبیہ خوانی ایک نمائش اور ایک ڈرامہ کی طرح ہے جو عام بیان سے بالکل مختلف ہے لیکن اچھی اور مثبت ہونا چاہئے۔ اس میں جھوٹ نہیں ہونا چاہئے۔ حقیقت کے خلاف پہلو نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کے لئے حقائق بیان کرے۔[1]

---

[1] نماز جمعہ تہران کے خطبہ سے اقتباس ۱۹۸۷:۸:۲۸

علما اور طلاب کے اجتماع سے خطاب

(۲۰۰۹:۱۲:۱۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں آپ عزیز بھائیوں اور بہنوں کوخوش آمدید کہتا ہوں جواس نورانی اجتماع میں حاضر ہوئے ہیں۔ الحمد للہ قابل احترام علما، فضلا اور طلاب کرام، حوزہ علمیہ قم کے اساتذہ اور منتظمین، یہاں تشریف فرما ہیں، اس اعتبار سے یہ اجتماع ایک ممتاز اور کم نظیر اجتماع ہے۔

آپ حضرات یہاں تبلیغ کی مناسبت سے جمع ہوئے ہیں؛ اور تبلیغ ہی میرا اور آپ کا اصلی اور بنیادی کام ہے۔ یہ ایام بھی تبلیغ دین سے مکمل مناسبت رکھتے ہیں؛ یہ ایّام، الہام بخش ایام ہیں، کل، عید مباہلہ کا مبارک دن تھا، اور کچھ ہی دنوں میں محرم الحرام کے ایام شروع ہونے والے ہیں، ۲۷ آذر (۱۸ دسمبر) کا دن، حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کا یوم اتحاد ہے۔ ہم سبھی کے لئے (جوکہ تبلیغ دین اور حقیقت کے ابلاغ کے لئے کمر بستہ ہیں) یہ ایام اور مناسبتیں، بہت اہم اور سبق آموز ہیں۔

روز مباہلہ وہ دن ہے جس دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عزیز ترین افراد کو میدان میں لائے، مباہلہ کے واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہی ہے؛ "وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ" کی تعبیر واقعہ مباہلہ میں ہے؛ "وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ" [1] کی تعبیر بھی واقعہ مباہلہ میں ہے؛ پیغمبر

---

[1] سورہ آل عمران: آیت ۶۱

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سب سے عزیز افراد کا انتخاب کیا اور انہیں مباہلہ کے میدان میں لے کر آئے جہاں سب کے سامنے، حق و باطل کے معیار کا تعیّن ہونا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کی تبلیغ اور حق کو پہچنوانے کے لئے اپنے عزیز ترین افراد، اپنی بیٹی، اپنے بھائی اور جانشین کو میدان میں لے کر آئے تھے؛ اس اعتبار سے مباہلہ کا واقعہ ایک استثنائی اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حقیقت کو روشناس کرانا کس قدر اہم ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عزیز ترین افراد کو اس دعوے کے ساتھ میدان میں لے کر آئے کہ آیئے مباہلہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کے حق میں نفرین کرتے ہیں، جو حق پر ہو وہ باقی رہے، جو باطل پر ہو وہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے۔

واقعہ کربلا میں بھی یہی بات عملی طور پر رونما ہوئی، یعنی امام حسین علیہ السلام، رہتی دنیا تک کے لئے حق و حقیقت کے معیار کو پہچنوانے کے لئے اپنے اعزّا و اقارب کو میدان کربلا میں لے کر آئے۔ امام حسین علیہ السلام کو اس واقعہ کا انجام معلوم تھا اس کے باوجود، جناب زینب سلام اللہ علیہا، اپنے دیگر اعزّا و اقارب، اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو میدان میں لاتے ہیں۔ چونکہ یہاں بھی تبلیغ دین کی بات تھی؛ اس واقعہ سے، حقیقی تبلیغ، پیغام الٰہی کے ابلاغ، معاشرے کو حقیقت سے روشناس کرانے اور تبلیغ کے دیگر پہلوؤں کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنے مشہور و معروف خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ رَأَى سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللهِ نَاكِثاً لِعَهْدِ الله ...... لَمْ يُغَيِّرْ بِقَوْلٍ وَلَا فِعْلٍ كَانَ حَقِيقاً عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَه"[1]

یعنی جب کوئی ظالم بادشاہ، معاشرے کی فضا کو اس طریقے سے مکدّر بنا رہا ہو، اسے

---

[1] مقتل ابی مخنف ص ۸۵؛ "جو کوئی بھی یہ دیکھے کہ کوئی ظالم حاکم، حرام خدا کو حلال قرار دے رہا ہے اور عہد و پیمان خداوندی کو توڑ رہا ہے......................اگر وہ اپنی رفتار و گفتار سے اس کا مقابلہ نہ کرے تو خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ اس شخص کو اسی ظالم حاکم کے ساتھ محشور کرے"۔

خراب کر رہا ہو تو ہر شخص کا فریضہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے معاشرے کو حقیقت سے روشناس کرائے، امام حسین علیہ السلام نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا اور اس کے لئے انہوں نے بہت بڑی قیمت ادا کی۔ اس کے لئے آپ اپنے اعزّاو اقارب، امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی اولاد، حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو میدان میں لائے۔

آج کے اجتماع کی ایک تیسری مناسبت، حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کا یوم اتحاد ہے۔ یہاں بھی، خودسازی اور تبلیغ کی بات ہے۔ یونیورسٹی کے طلبا کا مذہبی علما اور دینی علوم کے طلاب کرام سے رابطہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے، اس رابطے کو مضبوط بنانے کے لئے یہ دن منایا جاتا ہے۔ اور اس اتحاد کا مطلب بھی یہی ہے، ورنہ، یونیورسٹی اور حوزہ علمیہ کا عینی اور خارجی اتحاد بے معنیٰ ہے۔ چونکہ حوزہ، حوزہ ہے اور یونیورسٹی، یونیورسٹی ہے۔ دونوں کی سرگرمیوں کا اپنا ایک مخصوص دائرہ ہے۔ جس دور میں امام امت رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو مؤثر مجموعوں کے اتحاد کا نظریہ پیش کیا تھا، اس دور میں حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی پالیسی حکم فرما تھی۔ اس دور میں یہ پالیسی حکم فرما تھی کہ یونیورسٹی کو اسلام سے دور رکھا جائے اور حوزہ علمیہ کو عالمی تبدیلیوں اور سائنسی ترقی سے بے خبر رکھا جائے؛ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں؛ یہ دونوں ایک ساتھ پرواز نہ کریں، ان میں ہماہنگی اور یکسانیت نہ پائی جاتی ہو۔ اس کی بازگشت بھی مسئلہ تبلیغ کی طرف ہوتی ہے تبلیغ کی اہمیت یہ ہے۔ ہم درس بھی اسی غرض سے پڑھتے ہیں کہ اس کے ذریعہ، پروردگار عالم کے پیغام کو پہنچا سکیں؛ خواہ اس پیغام کا تعلّق، عقیدے سے ہو، یا اخلاق و احکام سے۔

یہ مناسبتیں اور مسئلہ تبلیغ کی حقیقت

اس عمل پر استوار ہیں جو بصیرت اور یقین پر قائم ہو۔ اس کے لئے بصیرت کا ہونا

ضروری ہے۔یقین، وہ قلبی ایمان ہے جس میں فرض شناسی کا احساس بھی پایا جاتا ہو، اور اس یقین وبصیرت کی بنیاد پر کوئی عمل انجام پائے۔ اگر بصیرت ویقین ہو لیکن کوئی عمل انجام نہ پائے تو یہ بات ہرگز مطلوب نہیں ہے؛ فریضہ تبلیغ ادا نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر، تبلیغ انجام پائے لیکن اس میں بصیرت یا یقین کی کمی ہو تو ایسی تبلیغ پر مطلوبہ اثر مرتّب نہیں ہوگا۔ یہ یقین وہی چیز ہے جس کے بارے میں ارشاد رب العزّت ہو رہا ہے:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ" [1]

"رسول ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اس کی طرف نازل کی گئی ہیں اور مومنین بھی سب اللہ اور ملائکہ اور مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں۔"

سب سے پہلے، اس پیغام کے لانے والے کے دل میں اس پیغام کی حقانیت اور سچائی کے بارے میں گہرا ایمان اور اعتقاد ہونا چاہیے، اگر ایسا نہ ہو تو اس کی تبلیغ رائیگاں جائے گی، وہ موثر نہیں ہوگی۔ اس ایمان کو بصیرت پر استوار ہونا چاہیے۔ بصیرت کے سلسلے میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں، اس کا مفہوم واضح ہے ہم ان کو دہرانا نہیں چاہتے۔ اگر بصیرت اور یقین کی بنیاد پر کوئی عمل انجام پائے تو اسے "عمل صالح" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"ان الّذین آمنوا و عملوا الصالحات" [2]

اس عمل صالح کا ایک مصداق کامل جو واقعی میں ایک عمل صالح ہے "تبلیغ دین" ہے جسے انجام دینا ضروری ہے۔ تبلیغ دین کے بارے میں غور وفکر اور منصوبہ بندی لازمی امر ہے۔ اس سلسلے میں محترم جناب مقتدائی [3] نے جس نکتے کی طرف اشارہ کیا وہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے

---

[1] سورہ بقرہ، آیت ۲۸۵

[2] سورہ بقرہ؛ آیت ۲۷۷؛ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔"

[3] حوزہ علمیہ قم کے سربراہ۔

اور میں اس کا مطالبہ کرنے والا تھا، جناب مقتدائی نے پہلے ہی اس کی خوشخبری دے دی اور بتایا کہ امرِ تبلیغ کی پالیسی وضع کرنے اور مبلّغوں کی تربیت کے ایک سینٹر کا قیام عمل میں آیا ہے۔

آپ ملاحظہ کیجیے کہ آج کی دنیا میں تبلیغ کا کردار کس قدر اہم بن چکا ہے، ہمیشہ سے ہی تبلیغ کا کردار بہت اہم رہا ہے لیکن ماضی میں موجودہ دور کی طرح یہ وسائل نہیں تھے، یہ نزدیکی رابطے نہیں تھے۔ ہم صاحبانِ عمامہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہم اپنے مخاطبین سے رو برو بات کرتے ہیں، کسی واسطے کے بغیر ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ ایک بے مثال کام ہے، کوئی بھی دوسرا فن اس کی جگہ نہیں لے سکتا؛ منبر پر جا کر لوگوں سے خطاب کرنا، تبلیغ کے دیگر فنون کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ہے۔ اگرچہ تبلیغ کے دیگر فنون بھی اپنی جگہ لازم وضروری ہیں لیکن فن خطابت وتقریر میں جو خصوصیت پائی جاتی ہے وہ دوسرے فنون میں نہیں پائی جاتی۔ پس تبلیغ ایک بہت اہم چیز ہے اور عصر حاضر میں ایک بنیادی اور اساسی چیز شمار ہوتی ہے؛ ہمارے پاس تبلیغ کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ کار ہے۔

میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغ کو، عوام میں ایک نئی تحریک پیدا کرنا چاہیے، تبلیغ کو عوام میں دینی شعور کی بیداری و ارتقا کا باعث بننا چاہیے۔ اگر معاشرے میں کوئی دینی مفہوم ہمہ گیر شکل اختیار کرلے تو اس صورت میں اس دینی مفہوم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ، سماجی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یہ کام کسی منصوبہ بندی کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا اس کے لئے منصوبہ بندی اور سعی پیہم کی ضرورت ہے۔ بالکل ویسے، جیسے اگر آپ پانی یا ہوا کو کسی خاص نقطے تک پہنچانا چاہتے ہوں تو اس کے لئے پانی یا ہوا کو پہنچانے والے وسیلے کو مسلسل چلانا ضروری ہوتا ہے، ویسے ہی تبلیغ کے لئے سعی پیہم اور منصوبہ بندی لازم ہے۔

یہ نظریہ پردازی اور بحث وگفتگو کا ماحول اس لئے ضروری ہے تاکہ آپ کے مخاطبین میں دینی شعور کو ارتقا حاصل ہو۔ اور جب دینی شعور کے ارتقا کے ساتھ ساتھ، احساس ذمہ داری بھی پایا جاتا ہو تو ایسے دینی شعور سے "عمل" وجود میں آتا ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جو انبیا کا مقصود و

مطلوب تھی۔ درست ثقافت، صحیح شناخت، بعض مواقع پر خبردار کرنا، ہوشیار کرنا، یہ تبلیغ کے آثار و نتائج ہیں۔

تبلیغ کا ایک نمونہ

یہی ماہ محرم کی تبلیغ ہے جو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب باوفا کی عزاداری کے موقع پر انجام پاتی ہے۔ یہ تبلیغ کا بہترین موقع ہے۔ اس موقع غنیمت سے (ان مقاصد کے لئے جو ہم نے بیان کیے) بھر پور فائدہ اٹھانا چاہئے؛ تبلیغ کے ذریعہ معیاروں کی نشاندہی ہونی چاہئے، راہنما خطوط کا تعیّن ہونا چاہئے، راستے کی علامتوں کا تعیّن ہونا چاہئے۔ اگر کسی دوراہے پر کوئی ایسی علامت نہ ہو جس سے راستے کا پتہ چلتا ہو کہ داہنی طرف ہے یا بائیں طرف، ایسی صورت میں انسان راستہ بھٹک سکتا ہے اور یہی صورت حال اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے جب سہ راہے یا چوراہے پر کوئی ایسی علامت نہ ہو، یہ بات انسان کی گمراہی کا باعث بن سکتی ہے۔ معیار کا تعیّن ہونا چاہئے۔ صحیح راستے کی راہنمائی کی علامتیں سب کی نظروں کے سامنے ہوں تا کہ کوئی گمراہ نہ ہو۔ جس دنیا میں دشمنوں کے فعل و کردار کی بنیاد، فتنہ سازی پر استوار ہو، وہاں صاحبان حق و حقیقت کو، بصیرت اور ہدایت، اور حق و باطل کے معیاروں کو جس قدر ممکن ہو واضح انداز میں ہر شخص کے سامنے پیش کرنا چاہئے، تا کہ ہر شخص حق و حقیقت سے روشناس ہو سکے، اس کا ادراک کر سکے اور گمراہ نہ ہو۔

تبلیغ کے سلسلے میں ایک مطلب

سورۂ احزاب کی اس آیت میں ہے جس کی قاری محترم نے یہاں تلاوت کی

"الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا"[1]

رسالت الٰہی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱: "يَخْشَوْنَهٗ"

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ صرف خدا سے ڈرتے ہوں۔

۲: "وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ط"

خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں سب سے پہلے خوف خدا کا ہونا ضروری ہے،خوف، خدا کے لئے ہو، راہ خدا میں ہو، اس کی طرف سے الہام یافتہ ہو، اس کی تعلیم پر استوار ہو۔اگر خدا کے الہام اور تعلیم کے برخلاف ہو،تو ایسا خوف، گمراہی وضلالت ہے۔

"فَمَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ" [2]

حق کا ادراک، خوف وخشیت الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد،حق کو بیان کرنے کے مرحلے میں "وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ"، خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔اس پر تاکید کیوں کی گئی ہے؟

چونکہ دنیا میں حق وحقیقت کے دشمن بہت زیادہ ہیں،حقیقت بیانی کوئی آسان کام نہیں ہے۔دنیا،حقیقت کے دشمنوں کے زیر تسلّط ہے،قدرت واقتدار ان کے پاس ہے،وہ دنیا کی شیطانی وطاغوتی طاقتیں ہیں، پوری تاریخ میں یہی صورت حال حکم فرما رہی ہے اور امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کے قیام تک یہی صورت حال باقی رہے گی۔یہ صاحبان اقتدار نکمے تو نہیں بیٹھیں گے، بلکہ حق کے راستے میں روڑے اٹکائیں گے، اس پر حملہ آور ہوں گے، اس

---

[1] سورہ احزاب: آیت ۳۹ "وہ لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور دل اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔"

[2] یونس ۳۲ "حق کے بعد ضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

کے مقابلے میں اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لائیں گے۔

پس "لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ" کا وجود بھی ضروری ہے، ورنہ اگر غیر خدا کا خوف حاکم ہو جائے تو حق کا راستہ مسدود ہو جائے گا، خوف کی بہت سی قسمیں ہیں، جان کا خوف، مال کا خوف، عزّت و آبرو کا خوف، دوسروں کی چہ مگوئیوں کا خوف، یہ سب خوف کی قسمیں ہیں، ان خوفوں کو دل سے باہر نکال پھینکنا چاہئے۔ "وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ" کی راہ میں بہت زیادہ زحمتیں اور مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ بسا اوقات عوام کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ اس راستے میں کس قدر مشقتیں برداشت کی جارہی ہیں، آیت کے اس فقرے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

"وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا"

حساب و کتاب کو خدا پر چھوڑ دو۔ خلوص نیت، یقین و بصیرت، شجاعت و شہامت پر مبنی اقدام، حساب و کتاب کو خدا پر چھوڑنا، یہ تبلیغ دین کی برجستہ و ممتاز خصوصیات ہیں۔

ماہ محرم میں تبلیغ کے سلسلے میں بھی یہ عرض کرتا چلوں کہ ممکن ہے کچھ افراد یہ کہیں کہ اگر آپ امام حسین علیہ السلام کے قیام کے فلسفہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو جائیے اور بیان کیجیے لیکن مصائب کا تذکرہ کس لئے ہے، ان پر آنسو کیوں بہائے جاتے ہیں؟ آپ جائیے اور امام عالی مقام کے کارنامے بیان کیجیے، آپ کے اہداف و مقاصد پر روشنی ڈالئے۔ یہ انتہائی غلط انداز فکر ہے، اولیائے خدا اور دین سے یہ والہانہ جذباتی لگاؤ، فکر و عمل کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔ اس جذباتی لگاؤ سے جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس جذباتی لگاؤ کے بغیر راہ عمل میں قدم رکھنا بہت مشکل ہے۔ یہ جذباتی لگاؤ بہت اہم ہے۔ یہ جو امام امت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کو اس کے روایتی انداز میں منایا جائے، یہ کوئی عام بات نہیں ہے، بلکہ بہت گہری بات ہے۔ آپ ملاحظہ کیجیے کہ اولیائے خدا کے بارے میں قرآن مجید میں تین تعبیریں آئی ہیں:

ایک تعبیر

ولایت کی تعبیر ہے؛

"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ" [1]

اس آیت کریمہ میں، مسئلہ ولایت پر تاکید کی گئی ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ، اولیائے خدا کی معرفت، ان سے قلبی لگاؤ، امر ولایت کی ذیلی چیزیں ہیں۔

اولیائے خدا کے سلسلے میں ایک دوسری بحث ان کی اطاعت وپیروی سے مربوط ہے:

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" [2]

میدان عمل میں خدا اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت وپیروی واجب ہے۔

اولیائے خدا کے بارے میں ایک تیسری بحث بھی پائی جاتی ہے اور وہ مودّت کی بحث ہے

"قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" [3]

ولایت و اطاعت کے بعد یہ مودّت کیا ہے؟ ان کی ولایت کو قبول کیجیے، ان کی اطاعت وپیروی کیجیے، یہ تو اپنی جگہ صحیح، لیکن یہ مودّت کس لئے ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ یہ مودّت

---

[1] سورہ مائدہ: ۵۵ "ایمان والو، بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔"

[2] سورہ نساء: آیت ۵۹ "۔۔۔اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں۔"

[3] سورہ شوریٰ: آیت ۲۳ "............آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو............"

ومحبت، ایک بنیاد ہے، ستون ہے، اگر مودّت نہ ہوتو جس طرح صدر اسلام میں کچھ افراد کے، مودّت کا دامن چھوڑنے کی وجہ سے، رفتہ رفتہ اطاعت وولایت کو بالائے طاق رکھ دیا گیا، عصر حاضر میں بھی امت مسلمہ اسی مصیبت میں گرفتار ہوسکتی ہے۔ مودّت کی بحث بہت اہم ہے۔ مودّت کے ذریعہ، جذباتی لگاؤ پیدا ہوتا ہے؛ مصائب کے تذکرے سے، آنسو بہانے سے یہ جذباتی لگاؤ پیدا ہوتا ہے؛ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل ومناقب کے تذکرے سے بھی جذباتی اور قلبی لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا واقعہ کربلا کی یاد میں مجالس عزا کا انعقاد، شہدائے کربلا کے مصائب پر آنسو بہانا، واقعات کربلا کی توضیح وتشریح، یہ سبھی چیزیں لازمی ہیں، کچھ نام نہاد روشن فکر یہ نہ کہیں کہ اس دور میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے، نہیں جناب! نہ صرف اس دور میں بلکہ رہتی دنیا تک، یہ چیزیں بہت ضروری ہیں۔ عزاداری کے سلسلے میں عوام الناس جو کام انجام دیتے ہیں وہ بہت ضروری ہیں، البتہ اس سلسلے میں کچھ نامناسب رسمیں بھی ہیں جن سے اجتناب کرنا چاہئے، مثلاً قمہ زنی ایک حرام فعل ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کے بارے میں تاکید کی ہے۔ اس فعل سے ہمارے دشمنوں کو ہمارے اوپر الزام تراشیوں اور تہمتوں کا بہانہ ملتا ہے۔ لیکن عزاداری امام حسین علیہ السلام کے سلسلے میں جو دیگر امور عوام میں رائج ہیں وہ مطلوب ہیں، مثلاً جلوس عزا برآمد کرنا، علم اٹھانا، شہدائے کربلا سے محبت کا اظہار کرنا، ان کے مصائب پر آنسو بہانا، یہ امور انتہائی پسندیدہ امور ہیں، ان کے ذریعہ، اہلبیت علیہم السلام سے ہمارے جذباتی لگاؤ میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ تبلیغ کی اہمیت کے بارے میں اتنی ہی گفتگو کافی ہے۔

لہٰذا حوزہ علمیہ (جس کا ہر اعتبار سے مرکز، سرزمین قم ہے) تبلیغی امور میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے، تبلیغی امور کی منصوبہ بندی کے لئے، تبلیغی امور کو زیادہ متحرک وفعال بنانے کے لئے حتمی طور پر ایک اچھا قدم اٹھانا چاہئے (جس کی خوش خبری یہاں سنائی گئی) انشاءاللہ اس کا تعاقب ہوگا۔ بسا اوقات کسی ایک خاص موقع پر کچھ خاص مسائل کی توضیح وتشریح ضروری ہو، اور

دس، پانچ سال تک ان کی تبلیغ ضروری ہو، لیکن، پانچ، دس سال کے بعد ان کی تبلیغ کی کوئی ضرورت نہ ہو۔اس کی منصوبہ بندی کیجیے۔

میں ہمیشہ ہی مبلغین کرام، اور طلاب وفضلا سے سفارش کرتا رہتا ہوں کہ آپ جہاں بھی تبلیغ پر جاتے ہیں سب سے پہلے وہاں کے مبتلا بہ مسائل کے بارے میں معلومات جمع کیجیے اور جائزہ لیجیے کہ وہاں کس چیز کی ضرورت ہے، اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تبلیغ کی منصوبہ بندی کیجیے۔ البتہ یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے، ممکن ہے انفرادی طور پر کوئی شخص، غلطی کا شکار ہو جائے اس کے لئے مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، یہ کام انشاء اللہ انجام پانا چاہئے۔

تبلیغ کا سب سے اہم موقع اور جگہ

تبلیغ کا سب سے اہم موقع اور جگہ جہاں تبلیغ، حقیقی شکل اختیار کرتی ہے، وہ جگہ اور موقع ہے جہاں "فتنہ" پایا جاتا ہو۔ صدر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں سب سے بڑی مشکل کا تعلّق منافقین سے تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام کے دور میں بھی، اسلامی حکومت کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ، انہی لوگوں نے کھڑی کی جو بظاہر اسلام کے مدعی تھے۔ اس کے بعد دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام کے دور میں انہی افراد نے اسلامی معاشرے کی فضا کو مکدر بنایا، اس میں آشوب بپا کیا۔ ورنہ جنگ بدر کا میدان مشکل نہیں تھا۔ جب انسان کسی ایسے میدان کارزار میں قدم رکھتا ہے، جہاں دشمن کی شناخت معلوم ہو، اس کا عقیدہ معلوم ہو، ایسے دشمن سے جنگ کرنا بہت آسان ہے۔

مشکل تو تب پیش آتی ہے جب مدمقابل بھی اسلام کا مدعی ہو، جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اسی مشکل صورت حال سے دوچار ہوئے، امیر المومنین کے مدمقابل ایسے افراد

تھے جو بظاہر مسلمان تھے، اسلام کے پابند تھے، ایسے لوگ نہیں تھے جو اسلام سے پھر گئے ہوں، اسلام کے معتقد نہ ہوں، بظاہر مسلمان تھے لیکن صراط مستقیم سے منحرف ہو چکے تھے، اپنی نفسانی خواہشات کے غلام بن چکے تھے۔ یہ وہ مشکل صورت حال تھی جو افراد کو شک وشبہ میں مبتلا کر رہی تھی، جیسا کہ تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھی، امیرالمومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا:

"إِنَّا قَدْ شَكَكْنَا فِي هَذَا الْقِتَالِ"[1]

ہمیں جنگ کے بارے میں شبہ ہے، انہیں شک وشبہ کا شکار نہیں ہونا چاہئے تھا۔ خواص کا شک وشبہ، کسی بھی معاشرے کی صحیح حرکت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ جب خواص کچھ روشن و واضح حقائق کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو جائیں تو اس سے صورت حال اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کو بھی اسی مشکل کا سامنا تھا۔ آج، بھی یہی صورت حال ہے۔ آج، آپ کو عالمی اور داخلی سطح پر یہی صورت حال نظر آئے گی۔ اس لئے عام لوگوں کو حقیقت سے روشناس کرانا ضروری ہے۔

آج ہمارے دشمن عالمی سطح پر اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا رہے ہیں تا کہ وہ عالمی رائے عامہ کو گمراہ کر سکیں، عالمی برادری کے ذہن میں ہمارے بارے میں قسم قسم کے شکوک و شبہات بھر سکیں۔ اس سلسلے میں ان کی رسائی جہاں تک ممکن ہو وہ اس سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں، عوام وخواص، دونوں میں رخنہ اندازی کے در پے ہیں۔

قانون کی بالادستی

---

[1] مجمع البحرین/ ج ۴/ (ربع)..... ص: ۳۳۰ "ہمیں اس جنگ کے بارے میں شک وشبہ ہے۔"

انسانی حقوق کی پاسداری اور مظلوم کی حمایت کا ڈھونگ رچا رہے ہیں، یہ باتیں بظاہر تو بڑی اچھی اور دلکش معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ امریکہ کے صدر نے چند دن پہلے یہ بات کہی کہ ہم اس بات کے پیچھے ہیں کہ قانون شکن حکومتوں کو جواب دہ بنایا جائے، اچھا اگر یہی بات ہے تو بتاؤ کہ

کون سی حکومت قانون شکن ہے؟

امریکہ سے بڑھ کر کون سی حکومت قانون شکن ہے؟

کس قانون کی بنا پر تم نے عراق پر قبضہ کیا ہے؟ اور عراقی عوام کو اس قدر مادی، معنوی اور انسانی نقصان سے دوچار کیا ہے؟

ایک سراسر جھوٹی افواہ کی بنیاد پر جسے خود امریکی حکومت نے تراشا تھا، اسے بنیاد بنا کر عراق پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کیا، جس کے نتیجہ میں گزشتہ چند برسوں میں لاکھوں عراقی خاک و خون میں غلطاں ہوئے، لاکھوں کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ چند دن پہلے خبروں میں آیا تھا کہ اس مدت میں پانچ سو عراقی برجستہ شخصیات اور عراقی سائنسدانوں کو اسرائیلیوں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے۔ یہ عراق پر امریکہ کے حملے کا نتیجہ ہے جو اسرائیل نے عراق میں برجستہ شخصیات کے قتل کے لئے دہشت گرد ٹیمیں تشکیل دی ہیں۔ جو عراق کی برجستہ علمی شخصیات کو چن چن کر نشانہ بنا رہی ہیں۔

تم کس قانون کے تحت عراق میں داخل ہوئے ہو؟

کس قانون کے تحت آج بھی وہاں موجود ہو؟

کس قانون کے تحت، عراقی عوام سے یہ نازیبا سلوک روا رکھے ہو؟

تم نے کس قانون کے تحت، سرزمین افغانستان پر قبضہ کیا ہے؟

کس بین الاقوامی اور عقل پسند قانون کے تحت وہاں اپنی فوجوں میں اضافہ کر رہے ہو؟

افغانستان میں نہ جانے کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جب امریکی افواج نے شادی کی تقریبات کو اپنے بہیمانہ حملوں کا نشانہ بنایا ہے؟! گزشتہ چند برسوں میں بار ہا یہ روداد دہرائی گئی ہے۔ ہر دفعہ کچھ بے گناہ افراد لقمہ اجل بن گئے اور وہ بھی ایسے لوگ جو شادی کی تقریب میں شریک تھے۔ اس کے بعد امریکی فوجی افسر انتہائی بے شرمانہ انداز میں یہ کہے کہ ہم طالبان کا پیچھا کر رہے ہیں، طالبان جہاں بھی ہوں گے ہم انہیں نشانہ بنائیں گے! تم کو شادی کی تقریبات سے کیا سروکار ہے؟ عام لوگوں سے تمہیں کیا واسطہ؟ ان سے تمہیں کیا لینا دینا ہے؟ ابھی چند دن پہلے صوبہ ہرات میں رونما ہونے والے ایسے ہی ایک واقعہ میں سو سے زیادہ افراد مارے گئے جن میں بچاس کمسن بچے بھی شامل تھے۔ لاقانونیت کا مظہر تم ہو اور سب سے زیادہ قانون شکن حکومت، امریکہ کی حکومت ہے۔

حقیقت ماجرا یہ ہے

لیکن یہ زبان استعمال کرتے ہیں کہ ہم قانون شکنی کے مخالف ہیں، قانون شکن حکومتوں کو جوابدہ ہونا چاہئے! یہ حقیقی معنیٰ میں ایک فتنہ ہے۔ ان سازشوں کو، ظلمت و تاریکی کے ان پردوں کو عالمی رائے عامہ کے ذہن سے کیا چیز پاک کرسکتی ہے؟ حقیقت کو روشناس کرانے سے ہی ان چیزوں کا ازالہ ممکن ہے، آپ ملاحظہ کیجیے کہ آپ کی ذمہ داری کس قدر سنگین ہے۔

دینی مسائل کی نوعیت بھی یہی ہے۔ عالم اسلام میں مذہبی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے یہ فتنہ گر ہاتھ، اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لارہے ہیں۔ چونکہ اکثر مسلم ممالک ایک حساس خطے میں واقع ہیں، ایک ایسے خطے میں ہیں جو اقتصادی اور فوجی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ تیل کی دولت اس خطے میں پائی جاتی ہے، انہیں تیل کی ضرورت ہے؛ اور اسلام ان کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے، وہ اس مشکل کو کسی نہ کسی طریقے سے حل کرنا چاہتے ہیں، اس کو

حل کرنے کا جو بہترین طریقہ انہوں نے ڈھونڈ نکالا ہے وہ یہی مذہبی اختلافات ہیں، ان مذہبی اختلافات کی بنیاد، بے جا مذہبی تعصّبات ہیں، ان تعصّبات کا مقابلہ کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ ان کا مقابلہ سیاسی شعور میں ارتقا، درست تبلیغ اور دشمن کی چال سے باخبر رہ کر کیا جاسکتا ہے۔ بین الاقوامی مسائل کے بارے میں بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملک کے داخلی مسائل میں بھی یہی صورت حال حکم فرما ہے۔ آپ ملاحظہ کیجیے کہ کچھ افراد نے قانون شکنی کی، ہنگامہ کھڑا کیا، اور جہاں تک ممکن ہوا، عوام کو اسلامی نظام کا مقابلہ کرنے پر اکساتے رہے یہ الگ بات ہے کہ انہیں اس مقصد میں کامیابی نہیں ملی، لیکن انہوں نے اپنی طرف سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا؛ انہوں نے انقلاب اور اسلام کے دشمنوں کو زبان درازی اور جسارت کا موقع فراہم کیا۔ ان کے اس اقدام کی وجہ سے، اسلام اور امام امت رحمۃ اللہ علیہ سے کینہ رکھنے والوں میں یہ جرات پیدا ہوئی کہ انہوں نے یونیورسٹی میں امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر کی توہین کی [1]

انہوں نے وہ کام کیا جس کی وجہ سے انقلاب کے نیم جان، مایوس اور ناامید دشمنوں میں دوبارہ امید پیدا ہوگئی جس کی بنا پر انہوں نے انقلاب اور امام امت کے عاشق، انقلاب اور نظام سے والہانہ لگاؤ رکھنے والے طلبا کے سامنے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ ان قانون شکنیوں، ہنگاموں اور انقلاب و نظام کا مقابلہ کرنے پر اکسانے کا نتیجہ یہی ہے۔ یہ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، یہ مجرمانہ افعال انجام پاتے ہیں، اس کے بعد ان کی پردہ پوشی کے لئے نئی نئی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں، ان کے اطراف میں فلسفہ سازی کا کام شروع ہوجاتا ہے، ان پر استدلال قائم کیا جاتا ہے!

یہ ہر انسان کی ایک بہت بڑی مصیبت ہے، ہمیں اس کے تئیں ہوشیار رہنا چاہئے، ہم کوئی غلط قدم اٹھاتے ہیں اور جب ہمارا ضمیر، یا دوسرے لوگ اس کے بارے میں ہم سے سوال کرتے ہیں تو ہم اپنے دفاع میں طرح طرح کی بے بنیاد دلیلیں پیش کرتے ہیں، اس کے لئے

---

[1] اس مقام پر حضار نے یہ نعرہ لگایا "روح منی خمینی بت شکنی خمینی"

کوئی نہ کوئی استدلال تراشتے ہیں۔

اس سے معاشرے میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ معاشرے کی فضا مکدّر رہوتی ہے۔ ایک طرف قانون کی بالا دستی کی دہائی دیتے ہیں اور دوسری طرف، عملی طور پر قانون شکنی کا ارتکاب کرتے ہیں، امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی طرفداری کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن ایسا کردار پیش کرتے ہیں کہ ان کے ماننے والے، اس طرح امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر کی توہین کریں۔ امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی اہانت کریں، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ کیا یہ کوئی چھوٹی موٹی بات ہے؟

انقلاب کے دشمن اس فعل سے بہت خوش ہوئے ہیں، فقط خوش ہی نہیں ہوئے بلکہ اس کا، تجزیہ وتحلیل کررہے ہیں، اس تجزیے وتحلیل کی بنیاد پر فیصلے کررہے ہیں اور ان فیصلوں کی بنیاد پر عملی اقدام کررہے ہیں، ان کے اندر ملکی مفادات اور ایرانی قوم کے خلاف سازشوں کا حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ فریب کاری، دغل بازی، فضا کا مکدّر رہونا یہ چیزیں سب سے بڑھ کر ان مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی ہیں، اور امیر المومنین علیہ السلام کے بقول

"وَلَكِنْ يُؤْخَذُ مِنْ هَذَا ضِغْثٌ وَمِنْ هَذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ فَيُحْسَبَانِ مَعاً فَهُنَالِكَ اسْتَوْلَى الشَّيْطَانُ عَلَى أَوْلِيَائِهِ" [1]

حق و باطل کو ایک دوسرے میں ملا دیا جاتا ہے، صاحبان حق کے لئے حق کو پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے، یہاں پر حق کو پہچنوانا، حقیقت سے روشناس کرانا، عام لوگوں کے اذہان کو روشن کرنا۔ حق و باطل کے معیار کو واضح کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

وہ شخص جو انقلاب، اسلام اور امام رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مصروف عمل ہے، وہ جیسے ہی یہ دیکھتا ہے کہ اس کی کسی بات کو، اسلام اور انقلاب کے دشمن، انقلاب کے اصول کے خلاف استعمال کر رہے ہیں تو وہ فوراً ہوش میں آجاتا ہے، یہ لوگ ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ جب ان لوگوں نے سنا

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۵۰؛ "وہ ہمیشہ حق و باطل کو ایک دوسرے میں مخلوط کرتے ہیں اور اس حالت میں شیطان اپنے ماننے والوں پر مسلّط ہوجاتا ہے۔"

کہ جمہوری اسلامی کے بنیادی نعروں (خودمختاری، آزادی جمہوری اسلامی) سے اسلام کو حذف کیا جا رہا ہے، انہیں ہوش میں آنا چاہئے؛ انہیں فوراً سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ غلط راستے پر چل پڑے ہیں، وہ غلطی پر ہیں؛ انہیں فوراً اس سے لاتعلّقی اور بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عالمی یوم قدس (جسے فلسطین کی حمایت اور غاصب صیہونی حکومت کے خلاف منایا جاتا ہے) کے موقع پر غاصب صیہونی حکومت کے حق میں اور فلسطین کے خلاف نعرے لگائے جا رہے ہیں، انہیں اس سے الگ ہوجانا چاہئے تھا، انہیں ہوشیار ہوجانا چاہئے ،فوراً اس عمل سے لاتعلّقی اور بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ اور فوراً اعلان کرنا چاہئے تھا کہ ہم سے ان کا کئی تعلّق نہیں ہے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ عالمی ظلم واستکبار کے آقا ان کی حمایت کررہے ہیں، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے سربراہ جو کہ گزشتہ دو، ایک صدی سے ظلم واستکبار کا مظہر رہے ہیں، یہ لوگ ان کی حمایت کررہے ہیں، انہیں متوجّہ ہوجانا چاہئے تھا۔ انہیں فوراً سمجھ جانا چاہئے تھا کہ ان کے کام میں کہیں نہ کہیں کوئی عیب ضرور ہے، جب وہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے فاسد و بدعنوان، جاہ طلب افراد، کمیونسٹ، ملک سے فراری ناچنے گانے والے افراد ان کی حمایت کررہیں انہیں فورا متوجّہ ہوجانا چاہئے، ان کی آنکھیں کھل جانا چاہئے، انہیں سمجھنا چاہئے؛ انہیں سمجھنا چاہئے کہ ان کے کام میں کہیں کوئی عیب ضرور ہے، انہیں فوراً اس سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے، اور اعلان کرنا چاہیے کہ ہمیں آپ کی حمایت نہیں چاہیے، پاس ولحاظ کیوں کررہے ہیں؟

کیا عقلانیت کو بہانہ بنا کر ان حقائق سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے؟ کیا یہ عقلانیت ہے اس قوم وملت، انقلاب واسلام کے دشمن، آپ کو اپنا حصہ سمجھیں اور آپ کے لئے تالیاں اور سیٹیاں بجائیں اور آپ کو بھی اچھا لگے، آپ بھی ان سے امید وابستہ کریں۔

کیا اسی کا نام عقلانیت ہے؟!

یہ عمل مخالف عقل ہے۔

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے ہی آپ نے مشاہدہ کیا کہ جن اصول ومبانی کے آپ مدعی ہیں، ان کے خلاف، آواز اٹھ رہی ہے تو اپنے آپ کو اس تحریک سے الگ کر لینا چاہئے تھا، آپ کو اس سے اظہار بیزاری کرنا چاہئے تھا، اور یہ اعلان کرنا چاہئے تھا کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔

آپ نے جیسے ہی دیکھا کہ امام رحمۃاللہ علیہ کی تصویر کی توہین کی گئی ہے، آپ کو اس واقعہ سے سرے سے انکار کے بجائے اس کی مذمت کرنا چاہئے، مذمت سے بھی بڑھ کر اس واقعے کی گہرائی کو سمجھئے، دشمن کی سازشوں اور منصوبہ بندیوں کو درک کیجیے۔ اس کے اہداف و مقاصد کو سمجھیے۔ ان حضرات کو یہ حقائق سمجھنا چاہئے۔

مجھے ان میں بعض افراد پر بہت تعجب ہوتا ہے جن کی شناخت، جن کی شہرت اور پہچان، انقلاب کی مرہون منت ہے، ان میں سے بعض افراد نے طاغوت کے دور میں انقلاب کی خاطر ایک تھپڑ تک نہیں کھایا، ان افراد نے انقلاب کی برکت سے شہرت حاصل کی ہے، ان کی ہر چیز انقلاب کی مرہون منت ہے جب یہ لوگ اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ انقلاب کے دشمن کس طرح اپنے خنجر تیز کر رہے ہیں، کس طریقہ سے انقلاب کے خلاف صف آرا ہیں؛ اس صورت حال سے کس قدر خوش ہیں، وہ اس صورت حال پر مسکرا رہے ہیں، جب وہ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ہوش میں آیئے اور متوجّہ ہوئے۔

کچھ عرصہ پہلے تک آپ ہماری صف میں تھے، ہمارے بھائی تھے۔ ایک دور میں ان میں سے بعض افراد کو امام امت رحمۃاللہ علیہ کی حمایت کی وجہ سے توہین کا سامنا کرنا پڑتا تھا، وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ کچھ ایسے افراد جو ان کا نام لے کر نعرہ لگا رہے ہیں، ان کی تصویر اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے ہیں، ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں یہ لوگ اسلام، انقلاب اور امام امت رحمۃاللہ علیہ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر نعرے لگا رہے ہیں، ماہ رمضان کی حرمت کو پامال کر رہے ہیں، یوم قدس پر کھلے عام کھا پی رہے ہیں جب آپ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں تو ان سے جدا کیوں نہیں ہو جاتے۔ الیکشن تمام ہو گیا۔ جو ایک صحیح وسالم الیکشن تھا، اس الیکشن پر جو

بھی الزام انہوں نے عائد کیے ان میں سے کسی بھی الزام کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے؛ محض دعوے کرتے رہے، ان کو موقع بھی دیا گیا؛ ہم نے بھی کہا کہ آیئے اوران الزامات کو ثابت کیجیے؛ وہ ان الزامات کو ثابت کرنے سے عاجز تھے، وہ نہیں آئے؛ اب الیکشن کی بات ایک قصہ پارینہ بن چکی ہے، قانون کے احترام کا تقاضا ہے کہ اگر ہم کسی منتخب صدر کو نہیں بھی مانتے تو بھی اگر ہمیں قانون کا پاس ولحاظ ہے تو ہمیں قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے، کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو شخص منتخب ہوا ہے وہ سو فیصد اچھا ہے اور جو شخص منتخب نہیں ہوا وہ سو فیصد برا شخص ہے، ایسا نہیں ہے، بلکہ اچھائی و برائی دونوں طرف پائی جاتی ہے۔ جب قانون، معیار وملاک ہے تو یہ صورت حال کیوں پیش آئی؟ یہ خواہشات نفسانی کی تقلید کا نتیجہ ہے۔

یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے جو لوگ اوائل انقلاب میں موجود تھے انہیں اچھی طرح یاد ہوگا انقلاب کے پہلے عشرے میں، انقلاب کے ابتدائی ایام میں، امام امت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ ساتھی امام رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف صف آرا ہو گئے، موصوف کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے، وہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو غلط ثابت کرنے کے درپے تھے، وہ امام رحمۃ اللہ علیہ کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے، البتہ بعد میں ان کی مخالفت نے کئی کروٹیں لیں، انقلاب نے ان افراد کو اپنی حدوں سے باہر نکالا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ساتھیوں، بعض قریبی افراد نے دشمن کی آغوش میں پناہ لی، انہوں نے انقلاب کی مخالفت اور اس پر ضرب لگانے کے لئے، دشمنوں کی ہر ممکن مدد کی۔ ہم سب کو ان واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، ہمیں اسے اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔

جیسا کہ میں نے نماز جمعہ میں بھی اعلان کیا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ افراد کو ساتھ لے کر چلنے کا قائل ہوں اور کم سے کم افراد کو دور کرنے کا معتقد ہوں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ گویا کچھ لوگ خود ہی اس نظام سے علیحدہ ہونے پر مصر ہیں، کچھ لوگوں نے ایک خاندانی اور اندرونی اختلاف کو جو کہ الیکشن سے مربوط تھا اسے اس نظام سے مقابلے کے میدان میں تبدیل کر دیا۔ البتہ یہ ایک چھوٹی سی اقلیت ہے؛ یہ افراد، ایرانی قوم کی عظمت کے سامنے ہیچ ہیں؛ لیکن ان کا نام

لے کر نعرے لگا رہے ہیں؛ یہ لوگ بھی دل ہی دل میں خوش ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے لئے عبرت کا باعث ہونا چاہئے۔ تبلیغ کو، عوام اور خود ان لوگوں کو ان حقائق سے روشناس کرانے کا عامل بننا چاہئے جو اس میں ملوّث ہیں، تبلیغ ان پر یہ حقیقت واضح کرے کہ وہ غلطی پر ہیں، غلط راستے پر چل رہے ہیں۔

البتہ یہ نظام ایک الٰہی نظام ہے؛ پروردگار عالم کا لطف وکرم اور اس کی نصرت ہمیشہ ہی اس کے شامل حال رہی ہے، اول انقلاب سے لے کر آج تک رونما ہونے والے واقعات اور تجربات اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے ساتھ ہوں تو خدا بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ یہ لوگ، یہ تسلّط پسند عالمی طاقتیں جو اپنی اس غلط منطق کے ذریعہ پوری دنیا پر اپنا تسلّط قائم کرنا چاہتی ہیں وہ یقیناً پروردگار عالم کی مدد ونصرت سے، اس قوم اور دیگر خودمختار قوموں کے ذریعہ منہ کی کھائیں گی۔

انہوں نہ تو اسلام کو پہچانا ہے نہ ہماری قوم کو؛ انہیں نہ تو ہمارے عظیم الشان امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت ہے اور نہ ہی انہوں نے ہمارے انقلاب کو پہچانا ہے؛ انہیں نہیں معلوم کہ ان کا مقابلہ کس قوم سے، انہوں نے اس قوم کو نہیں پہچانا، یہ قوم ایک ثابت قدم قوم ہے، ہمارے جوان وہ جوان ہیں جو حقیقی معنیٰ میں جان و دل سے اس قوم کی سعادت وخوش بختی کے لئے رات دن مصروف عمل ہیں، اس سعادت وخوشبختی کے حصول میں کوشاں ہیں جس کا تعیّن، دین اسلام نے کیا ہے۔

ہمارے طلبا بھی اسی خصوصیت کے حامل ہیں؛ ہمارے آج کے طلبا کا شمار بہترین طلبا میں ہوتا ہے؛ نہ فقط علم وذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے بلکہ معنویت اور ایمان کے اعتبار سے بھی ہمارے طلبا ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ انہی واقعات میں ہم نے بارہا اس کے نمونے مشاہدہ کیے۔ ان واقعات میں ہماری یونیورسٹیوں نے بہترین امتحان دیا۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری یونیورسٹیاں، میدان عمل میں حاضر ہیں، آگاہ و

بیدار ہیں۔ حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کے رشتے جس قدر مضبوط ہوں گے اسی قدر اس معنویت اور جوش و جذبہ میں اضافہ ہوگا۔

امام امت رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کے واقعہ سے عوام میں غصّے کی لہر دوڑ گئی، عوام غیظ میں آگئے، وہ اس میں حق بجانب بھی ہیں، انہوں نے اس فعل سے بیزاری کا اظہار کیا، یہ اعلان برائت کا مناسب موقع ومحل بھی ہے۔

لیکن میں عوام سے گزارش کرتا ہوں کہ پرسکون رہیں، صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں، طلبا سے بھی میری یہی گزارش ہے۔ یہ لوگ جو آپ کے مدمقابل ہیں اس ملک میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے، یہ اس انقلاب اور اس قوم کی عظمت کے سامنے نہیں ٹک پائیں گے؛ آپ ہر اقدام سوچ سمجھ کر، صبر وسکون کے ساتھ اٹھایئے، جہاں کہیں ضروری ہوا، ملک کے حکام، قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی ذمہ داری نبھائیں گے۔

البتہ طلبا ایسے عناصر کی شناسائی کریں جو یونیورسٹی کے پرامن ماحول میں رخنہ اندازی کرنا چاہتے ہیں، ان کی شناسائی کریں اور دوسروں کو ان سے باخبر کریں، یہ بھی ایک طرح کی درست تبلیغ ہے، ان خبیث عناصر کا پتہ لگائیں، ان کے روابط اور ان کے افکار کا پتہ لگائیں، لیکن ان امور کو پرسکون انداز میں انجام دیں۔ معاشرے کی سطح پر، ہلڑ ہنگامہ، لڑائی جھگڑا اور تناؤ، ہماری مصلحت میں نہیں ہے، دشمن اسی چیز کے پیچھے ہے، دشمن چاہتا ہے کہ معاشرے میں بدامنی کا دور دورہ ہو، امن وسکون بہت اہم ہے۔ لوگوں کے امن وسکون کے دشمن چاہتے ہیں کہ لوگوں میں بدامنی کا احساس پیدا ہو، ان میں ناراضگی پائی جاتی ہو، وہ اس صورت حال سے تنگ آجائیں، انہیں اس پر غصہ آئے۔

لیکن ہم یہ نہیں چاہتے، ہم چاہتے ہیں، کہ لوگ، آرام وچین کی زندگی بسر کریں، وہ پرسکون انداز میں اپنے روز مرّہ کے امور میں مصروف رہیں، حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کے طلبا پرسکون انداز میں اپنے درس میں مشغول رہیں، محقق، آرام وسکون کی فضا میں اپنی تحقیق میں

مصروف رہے، کسان، کارخانوں کے مالک اور تجارت پیشہ افراد، امن وسکون کی فضا میں اپنے کاموں میں مشغول رہیں۔

یونیورسٹی کا ماحول بھی پرامن وسازگار رہنا چاہئے، یہاں قوم کے جوان، زیر تحصیل ہیں، قوم یہ چاہتی ہے کہ یہاں کا ماحول پرامن وسازگار رہو، جولوگ ہنگاموں کے ذریعہ یونیورسٹی کے پرامن ماحول کو خراب کرنا چاہتے ہیں ان کا سروکار اس قوم سے ہے۔ البتہ، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے بھی اپنے فرائض ہیں، انہیں ان فرائض پر عمل کرنا چاہئے۔

اے عزیز جوانو! عزیز طلاب اور فضلا! آپ یہ جان لیجیے کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ

" فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ "[1]

کا ہر دور میں ایک مصداق اتم و اکمل پایا جاتا ہے؛ آپ مشاہدہ کریں گے؛ پروردگار عالم کے فضل وکرم سے آپ اسے ضرور مشاہدہ کریں گے کہ "وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ" کی بنا پر، یہ استوار عمارت، جس کا خاکہ خدائی ہے، جس کی بنیاد بھی ایک خدائی انسان نے رکھی ہے، اور جس کی بقا کا ضامن اس قوم کا عزم وارادہ اور ایمان ہے۔ یہ عمارت یوں ہی استوار رہے گی۔ اور انشاء اللہ اس درخت کی جڑیں روز بروز گہری ہوتی جائیں گی۔ اور آپ دیکھیں گے کہ "فيذهب جفاء" کی رو سے انشاء اللہ اس حق وحقیقت کے مخالف آپ کی آنکھوں کے سامنے نیست ونابود ہو جائیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ پروردگار عالم امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) کے قلب مقدّس کو ہمارے تئیں مہربان فرمائے گا؛ اور ان کی دعا کو ہم سب کے شامل حال فرمائے گا اور امام

---

[1] سورہ رعد: آیت ۱۷؛ "۔۔۔ جھاگ خشک ہو کر فنا ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔"

امت رحمۃ اللہ علیہ اور شہدا کی طیب وطاہر روحوں کو ہم سے راضی وخشنود فرمائے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ